آفتابِ فیضِ عالم ماہتابِ اولیاءؒ
سینۂ میراں حسینؒ ام الکتابِ اولیاءؒ

آفتابِ زنجان

سوانح حیات قطب الاقطاب حضرت شیخ فخر الدین شاہ حسین زنجانیؒ

المشہور

حضرت میراں حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ

مؤلفہ۔ عالم حسین چیمہ

بزمِ میراں دربار حضرت میراں حسین زنجانیؒ چاہ میراں لاہور

نام کتاب آفتابِ زنجان

مؤلفہ عالم حسین چیمہ

ناشرین مجلس اشاعت بزم میراں ۔ لاہور

باہتمام میاں محمد یعقوب مینجر حمایت اسلام پریس برانڈرتھ روڈ ۔ لاہور

تعداد طبع اول پانچ سو

کتابت ادارہ پروین کتابت لاہور

تاریخ طباعت جولائی سنہ ۱۹۶۹ء

قیمت فی کاپی سفید کاغذ ۔ چار روپے پچاس پیسے 4/50
نیوز ۔ تین روپے پچاس پیسے 3/50

مولانا شیخ عبدالغفور مدظلہ العالی

صدر بزم میراں دربار حضرت میراں حسین زنجانی چاہ میراں لاہور

خدا کے دوست کا سیرت نگار ہے اقبال
وہ دوست جو کہ خدائی کا مہرباں ٹھہرے

مجلس اشاعت

سید ارشاد علی شاہ زنجانی

چوہدری محمد افضال

مولانا شیخ عبدالغفور

مرزا محمد اسلم

محمد اشرف بٹ

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

(اقبالؒ)

فہرست

پیش لفظ

روئے زمین کا شاید ہی کوئی متمدن خطہ ایسا ہو جہاں اسلام کا نام لینے والے موجود نہ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کو چودہ سو سال ہونے کو آئے ہیں۔ اس طویل دور میں اسلام نے عروج و زوال اور نشیب و فراز کے بہت سے مراحل طے کئے۔ ایک زمانے میں ان کی سلطنت کی حدیں ایک طرف برصغیر پاک و ہند اور دوسری طرف افریقہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یورپ بھی اس کے دائرہ اثر سے باہر نہ تھا۔ اس طرح اسلام بیک وقت دنیا کے تین براعظموں پر حکومت کر رہا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اسلام کی حکمرانی کا سنہرا دور تو وہی تھا جسے خلافت راشدہ کہتے ہیں مگر خلفائے بنو امیہ اور خلفائے بنو عباس کے عہد میں بھی مسلمانوں کی شان و شوکت اور تمدنی و تہذیبی ترقی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان

کے بعد گو مسلمانوں کی مرکزیت کمزور ہو گئی اور ایشیا و افریقہ میں متعدد خود مختار سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ جیسے ہندوستان میں مغلیہ سلطنت اور ایران میں صفوی خاندان۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں کی حکومت و شوکت کا سکہ کسی نہ کسی رنگ میں سترہویں صدی عیسوی تک جاری رہا۔ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلامی سلطنتوں کی وسعت اور مسلمانوں کی شان و شوکت میں بادشاہوں اور جرنیلوں کی اولوالعزمانہ کوششوں اور مہم جوئیوں کو بڑا دخل ہے لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ اسلام کی نشر و اشاعت کا اصل فریضہ ان خاصان خدا نے سرانجام دیا جنہیں ظاہری لحاظ سے کوئی مرتبہ حاصل نہ تھا مگر جن کے دل عشق رسولؐ اور محبت الہٰی کی دولت سے مالامال تھے یہ وہ پاک ہستیاں ہیں جن کی خدمات تاریخ کے اوراق میں اس حد تک محفوظ نہیں ہیں جس حد تک ہونی چاہیئے تھیں مگر پھر بھی ان کے ذکر سے صفحات تاریخ منور ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کو ایک نظریہ حیات کی حیثیت سے پیش کیا اور تلواروں کے زور سے نہیں بلکہ اپنے پاکیزہ کردار اور اعلےٰ اخلاق کے ذریعے اس نظریہ حیات کی تبلیغ و اشاعت کی اور ثابت کر دیا کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جسے قبول کرنے کے بعد انسان دنیا میں بھی کامیاب ہو سکتا ہے اور عقبیٰ میں بھی سرفراز۔ اپنے مقدس مشن کو

پھیلانے اور دنیا سے روشناس کرانے کے لئے انہوں نے اپنے گھر بار وطن کو چھوڑا۔ عزیزوں کی فرقت گوارا کی۔ سفر کی مصیبتیں برداشت کیں فاقے کئے۔ قریہ قریہ صحرا صحرا پھرے۔ اور اس طرح کفر کی ظلمت میں اسلام کا چراغ روشن کیا۔ مگر اسے ہماری قوم کی بدقسمتی سمجھنی چاہیئے کہ مورخوں نے اپنے قلم کا سارا زور سلاطین کی کشور کشائیوں اور بزم طرازیوں کی داستانیں لکھنے پر صرف کر دیا اور تاریخ کے صفحات سیاہ کر دیئے۔ حالانکہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام سلاطین کی شان و شوکت اور فتوحات سے نہیں بلکہ حضرت میراں حسین زنجانی رح حضرت یعقوب زنجانی رح۔ حضرت اسماعیل بخاری رح حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رح۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح۔ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر رح۔ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین رح اولیاء محبوب الہٰی۔ حضرت محبوب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رح۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح۔ حضرت لال شہباز قلندر رح اور حضرت میاں میر رح جیسے بوریانشینوں نے کیا ہے۔ جن کے پاس نہ کوئی لشکر تھا نہ ساز و سامان۔ نہ ظاہری جاہ و جلال نہ جنگی ہتھیار بلکہ خدائے واحد کے بھروسے پر اپنے وطنوں سے خالی ہاتھ نکلے اور ہزارہا میل کا پیدل سفر کر کے دیار غیر میں جا بیٹھے۔ پھر انہوں نے قوت ایمانی کی بدولت انسانی دلوں پر فتوحات حاصل کیں اور بت پرستوں کو مشرف بہ اسلام کر کے انہیں ان کے مقصد حقیقی سے روشناس کیا۔

افسوس کہ ہم نے گزشتہ دو سو سالہ غلامی میں جہاں اور بہت کچھ کھو دیا وہاں ان بزرگوں کی عدیم المثال خدمات کو بھی نظر انداز کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم اس مقصد سے بھی ہٹ گئے جو ان اکابرین کے پیشِ نظر تھا یعنی رضائے الٰہی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ساری جدوجہد کا مرکز حصولِ دولت کو بنا لیا ہے۔ خداوند تعالیٰ کا خوف اور آخرت کا خیال ہمارے دلوں سے نکل گیا ہے۔ ان حالات میں بے حد ضروری ہے کہ مسلمانوں کو ان بوریا نشینوں کے حالاتِ زندگی اور سیرت و کردار سے باخبر کیا جائے جن کے فقر پر ہزارہا سلاطینیاں نثار۔ میں نے یہ کتاب اس مقصد سے لکھی ہے تاکہ قارئین اکرام ان بوریا نشینوں میں سے ایک فقیرِ حق آگاہ کے حالاتِ زندگی کمالاتِ روحانی اور اسلامی خدمات سے باخبر ہو سکیں۔ یہ بزرگ حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ ہیں۔ آپ کی ذاتِ گرامی کو ان اولیائے اکرام کی صفِ اول میں شمار کیا جاتا ہے جنہوں نے سب سے پہلے آ کر ظلمت کدہ لاہور میں توحید کے چراغ روشن کئے اور تبلیغ اسلام کا سنگِ بنیاد رکھا۔ انہوں نے وہ راستہ بنایا جس پر بعد میں آنے والے بزرگانِ دین اور صوفیائے عظام نے چل کر ہزارہا انسانوں کو اسلام کے حقائق سے روشناس کرایا۔

ہمارے تاریخ نگاروں اور تذکرہ نویسوں کا فرض تھا کہ وہ ان بزرگانِ دین کے کارناموں کو اپنی تاریخوں اور تذکروں میں محفوظ کر جاتے مگر افسوس کہ ایسا

نہ ہو سکا اور آج جب کوئی سیرت نگار ان بزرگ ہستیوں کی حیات گم شدہ کی مختلف کڑیاں جمع کرنی چاہتا ہے تو اُسے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہی دشواری اس کتاب کے مؤلف کو بھی پیش آئی۔ متعدد تاریخی کتابوں کی چھان بین کے بعد ریزہ ریزہ چن کر یہ کتاب تیار ہوئی ہے جو قارئین اکرام کے ہاتھوں میں ہے۔ میں نے حضرت میراں حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت و سوانح کے ہر پہلو کو اجاگر کرنے کے لئے اپنے ان تمام وسائل سے کام لیا ہے جو میری دسترس میں تھے۔

اس کتاب کی تالیف کے دوران مجھے جن کتابوں سے استفادہ کرنا پڑا۔ ان کی فہرست آخر میں درج ہے میرا اخلاقی فرض ہے کہ اس کتاب کی تالیف کے سلسلے میں جن حضرات نے میرے ساتھ تعاون کیا اور میری حوصلہ افزائی کی ہے۔ ان کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کر دوں۔

اس کتاب کی تالیف میں سب سے بڑھ کر جناب سید محمد یوسف شاہ زنجانی صاحب نے میری مدد کی ہے۔ موضع پیسیانوالہ نارنگ منڈی اور گردونواح میں آپ عرصہ دراز سے درس و تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں بعض نادر قلمی کتب در بزرگ ہستیوں کے حالات بھی انکے پاس قلمی نسخے کی صورت میں موجود ہیں۔ میں نے حضرت میراں حسین زنجانیؒ کا خاندانی شجرہ انکی قلمی کتب سے ہی لیا ہے جس کا ثبوت تحقیقات چشتی سے بھی ملتا ہے۔ میں اس عنایت کیلئے ان کا

شکر گزار ہوں بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر وہ چند نادر معلومات فراہم نہ کرتے تو اس کتاب کی تالیف کا خیال میرے دل ہی میں رہتا اور ایک خواب بن کر ختم ہو جاتا ہے۔

صوفی سید ارشاد علی زنجانی کا بھی شکر گزار اور ممنون ہوں کہ انہوں نے اس تالیف کے دوران میری ہر ممکن مدد کی ہے۔

صوفی سید ارشاد علی شاہ زنجانی سید شفقت علی شاہ مرحوم سابق سجادہ نشین کے صاحبزادے ہیں اور دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اولیائے اکرام کے نقش قدم پر چلنے کی حقیقی تڑپ ان کے دل میں موجود ہے انہوں نے بھی میرے لئے بعض نادر کتابیں مہیا کیں اور سجادہ نشینوں کے حالات زندگی کے بارے میں بھی بہت سی معلومات فراہم کیں۔

ان کے علاوہ سید محمد شریف زنجانی اور سید مبارک علی شاہ زنجانی نظامی نے بھی نہایت مفید معلومات مہیا کیں جن کی مدد سے سجادہ نشینوں کے حالات مکمل کئے گئے۔

مندرجہ ذیل چند اور کرم فرما بزرگوں اور دوستوں کا بھی تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے کتاب لکھنے میں میری حوصلہ افزائی اور حالات فراہم کرنے میں رہنمائی فرمائی۔

محترم استاذ الفراد مولانا مولوی نظام الدین خطیب دربار حضرت میراں حسین زنجانیؒ

صوفی مطلوب رضا مدظلہ عالی۔ پیر سید محمد افضل چشتی گوندی شریف جناب
پیر فیاض احمد فاضل چشتی قادری۔ ماسٹر ممتاز حسین بسمل۔ ماسٹر محمد عاشق۔ بابو
محمد دین۔ محمد عالمگیر۔ محمد افضال۔ محمد اکرم قریشی۔ محمد خلیل۔ مولانا شیخ
عبدالغفور۔ مرزا محمد اسلم ناز ، اراکین بزم میراں۔ حاجی محمد صادق۔ پیر
محمد مقصود۔ محمد اشرف بٹ۔

کتاب کا مسودہ تیار کرنے کے بعد اس پر نظر ثانی اور
اصلاح کی ضرورت درپیش تھی چنانچہ میں متعدد ادیبوں کی خدمت میں
حاضر ہوا لیکن ہر ایک نے وقت کی کمی کا عذر پیش کر کے اپنا دامن چھڑا
لیا۔ آخر کار میں ایک دن جناب پیام شاہجہانپوری کی خدمت میں حاضر
ہوا ان سے مل کر مجھے دلی مسرت ہوئی کہ اس دنیا میں جذبات کی قدر کرنے
والی ہستیاں بھی موجود ہیں۔ میں ان کے اخلاق مروت اور شفقت سے
بہت زیادہ متاثر ہوا۔ انہوں نے اپنے بہت ہی قیمتی وقت کا خاصہ حصہ
صرف کر کے اس کتاب کی اصلاح کی۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ انہوں نے میرے بعض نظریات
سے اتفاق نہیں کیا۔ لیکن اس کے باوجود اصرار بھی نہیں کیا کہ میں اپنے ان
نظریات کو ترک کر دوں۔

جناب پیام صاحب موجودہ دور کے مشہور شاعروں مورخوں اور محققوں

میں عظیم حیثیت رکھتے ہیں ۔ انہوں نے نہایت تلاش و تحقیق کے ساتھ تاریخ پر متعدد کتابیں بھی لکھی ہیں ۔

آخر میں ایک بات اور عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ مذہب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے مجھے اپنی بے ضابطی اور کم علمی کا احساس بھی ہے اور اعتراف بھی ۔ لہٰذا اگر اس تالیف میں ناظرین کو کوئی خامی نظر آئے تو اسے بشری کمزوری پر محمول فرمائیں ۔ جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں نے حضرت میراں حسین زنجانیؒ کی سیرت و سوانح کے واقعات فراہم کرنے اور انہیں ترتیب دینے میں کوتاہی نہیں کی اور امکانی حد تک تلاش اور تحقیق سے کام لیا ہے ۔

بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ باری تعالیٰ مجھ عاصی اور جملہ مسلمانوں کو بالعموم اور طالبان حق و صداقت اور تشنگان معرفت کو بالخصوص بزرگان دین کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے ۔

آمین

عالم حسین چیمہ

مکان نمبر ۱ گلی نمبر ۴۴
نزد دربار میراں حسین زنجانیؒ
چاہ میراں ۔ لاہور
۷ اپریل ۱۹۶۹ء

ولی اور اُس کے وجود کی اہمیت

ولی اور اُس کے وجود کی اہمیت

ولی عربی زبان کا لفظ ہے۔ حرف عام میں جس کے معنی دوست اور مددگار کے ہوتے ہیں۔ ولی اللہ سے مراد اللہ کا دوست ہے اور جس شخص کو اللہ کی دوستی کا شرف حاصل ہوتا ہے اُسے ہم کہتے ہیں کہ اُسے ولایت حاصل ہے اگرچہ تمام مشائخ ولایت کے اثبات میں متفق ہیں لیکن ہر ایک نے ولایت کا مفہوم مختلف بیان کیا ہے۔ اگر ہم وَلایت کہیں گے تو لغوی اعتبار سے اس کے معنی تصرف کرنا ہوں گے اور اگر وِلایت کہیں گے تو اس کا لغوی مطلب امیر ہونا ہوگا۔ چنانچہ یہ دونوں فعل ولی میں موجود ہوتے ہیں ولی اللہ کی دوستی کا علم حاصل کرتا ہے جب اسے علم حاصل ہو جاتا ہے تو وہ امیر ہوتا ہے اگر علم ہو تو وہ اس کی تبلیغ بھی ضرور کرے گا چنانچہ وہ اس کا تصرف کرنا ہوگا۔ لہٰذا یہ بات ثابت ہو گئی کہ ولایت دوستی کے

حصول و اشاعت کا نام ہے۔

ولایت کے معنی ربوبیت کے بھی ہیں چنانچہ قرآن پاک میں اسی معنی کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ (وہاں قیامت میں ربوبیت اللہ برحق کے لئے ہے) اس آیت میں ولایت کے لفظ سے ربوبیت مراد ہے۔

ولایت کے معنی محبت کے بھی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ "وہ نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے" اللہ تعالیٰ نیک بندے سے کیوں محبت کرتا ہے کیونکہ وہ بندہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے۔ اس کی بندگی اور دیگر حقوق ادا کرتا ہے۔ اس کے غیر سے منہ موڑتا ہے چنانچہ یہ سب باتیں محبت اور نصرت کی حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے ساتھ اور محبت و اطاعت و بندگی وغیرہ کی باتیں بندہ کی طرف سے حق تعالیٰ کے ساتھ روا ہیں۔ جو باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے ساتھ روا ہیں وہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کا ناصر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ نصرت کا وعدہ فرمایا ہے "اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ سو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی نصرت قریب ہے" نیز فرمایا وَاِنَّ الْكَافِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ "بلاشبہ کافروں کا کوئی ناصر و مددگار نہیں"۔ جنہیں

وہ کافروں کا مددگار نہیں لامحالہ مومنوں کا ناصر و مددگار ہے کہ ان کی عقل کو اپنی صریح نشانیوں سے اور ان کے دلوں کو کشف سے مدد دیتا ہے۔ اسی طرح انہیں نفس شیطان کی مخالفت کرنے کی طاقت عطا فرماتا ہے اور اپنے احکام پر چلنے کی توفیق سے نوازتا ہے اور یہ بھی روا ہے کہ وہ ان کو اپنی دوستی سے مخصوص کر کے اپنی عداوت اور دشمنی سے بچائے رکھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو دوست رکھتا ہے اور وہ اسے دوست رکھتے ہیں تاکہ وہ اس سے اس کی وجہ سے محبت کریں اور مخلوق کی محبت سے منہ موڑ لیں یہاں تک وہ بھی ان کا دوست اور ولی ہو جائے اور باقی مومن بھی اس کے اولیاء ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ ایک شخص کو اپنی بندگی پر قائم رکھنے کے لئے ولایت عطا کرے۔ اسے اپنی حفاظت و عصمت میں محفوظ رکھے تاکہ وہ مومن اس کی بندگی پر قائم رہے اور اس کی مخالفت سے پرہیز کرے اور شیطان اس کی آہٹ سے بھاگ جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ ایک شخص کو اس لئے ولایت عطا کرے کہ ملک کا انتظام اس کے سپرد ہو۔ اس کی دعا مستجاب ہو اور اس کے اقوال مقبول ہوں۔

وہ ملت اسلامیہ جس کا خدا ایک کتاب یعنی قرآن ایک خدا کا آخری رسول ایک پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والوں کا شروع

سے آخر تک نام بھی ایک یعنی مسلمان حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے
نے جواب شکوہ میں اس کو اس طرح پیش کیا ہے کہ

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

اولیاء اللہ کی تمام تر کوششوں کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ
یہ ملتِ واحدہ یعنی مسلمان آپس کے لڑائی جھگڑے ختم کر کے ایک ہو جائیں
اور سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لیں۔ اولیائے اکرام نے
جہاں ایک طرف مسلمانوں کے بگڑے ہوئے احوال کی اصلاح کی اور توجہ
دی وہاں دوسری طرف اپنے حسن عمل اور جاذب نظر کردار سے لاکھوں
انسانوں کو اسلام کے دائرے میں داخل کیا۔

تفرقہ کے اسباب: اگرچہ عقائد و اعمال کے اعتبار سے بعض بعض صحابہ کا بھی
آپس میں اختلاف رہا لیکن وہ اس بنیاد پر ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں
ہوئے اور نہ انہوں نے ایسا کوئی نام یا مکتبہ فکر ہی اختیار کیا جس سے ان
کی آراء کا باہمی تضاد ظاہر ہو یا ان کے باہمی فروعی اختلافات ابھر کر مسلمانوں
میں نفاق و انتشار پیدا کر سکیں۔ تمام حضرات ایک ہی نام مسلمان سے

16184

پکارے جاتے اور آپس میں ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے تھے لیکن جب اختلافات کی بات اعمال اور عقائد سے چل کر حکومت اور سیاست تک آگئی تب مسلمانوں کی اجتماعی قوت میں ضعف آنا شروع ہوگیا اور وحدتِ ملی پارہ پارہ ہونے لگی۔

۳۷ھ میں جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت معاویہؓ کی درخواست پر جنگ بند کردی تو ان کے ساتھیوں میں سے کئی ہزار آدمی ان سے الگ ہوگئے ان کا نعرہ تھا لاطاعۃ لغیر اللہ یعنی مذہب کے حق و باطل کا فیصلہ ثالث اور حکم کی رائے پر نہیں ہوسکتا چنانچہ مسلمانوں میں یہ پہلا فرقہ تھا جو خالصتہً سیاسی وجوہ پر قائم ہوا تاریخ اسلام میں مسلمانوں کے اس سب سے پہلے گروہ کو جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رفاقت میں داخل ہو کر پھر ان کے حلقے سے نکل گیا خوارج کہتے ہیں پھر اس کے بعد مسلمانوں میں چند ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے عقلیت پر مذہب کی بنیاد رکھی اور مذہب میں فلسفیانہ خیالات اور عقلی استدلال پیدا ہوئے جن میں معتزلہ اور اشاعرہ کا گروہ خاص طور پر قابل ذکر ہے چنانچہ مسلمانوں میں رائے کے اختلاف کے سبب فرقوں اور ان کے جدا جدا ناموں کی ابتدا سیاسی محرکات اور اعمال و عقائد کی بنا پر ہوئی ہر فرقہ کے لوگوں نے جو انکے ہم خیال نہ ہوتے ان کو اسلام سے خارج سمجھنا شروع کردیا بعد کو

اس "ہم خیالی" کے تنگ نظریئے اور متشدد جذبے نے کچھ ایسا زور پکڑا کہ ہر فریق اپنے مخالف گروہ کو باطل کا پیروکار سمجھنے لگا اور خود کو حق بجانب۔ اختلاف رائے میں تحمل اور بردباری کو راہ نہ دینے کا نتیجہ بالآخر یہ نکلا کہ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ اس حقیقت کا جواز پیدا کرنے کی خاطر کہ مسلمان کے لئے مسلمان کا خون بہانا ناجائز ہے پہلے ہی مرحلے میں ایک دوسرے کو کافر و زندیق اور ملحد بنا دیا گیا۔ سنہ ۶۱ھ کا خونین معرکہ کربلا کسے معلوم نہیں، یہ سیاسی بنیادوں پر اختلاف رائے اور اس سے بڑھ کر ایک فریق (یزید) کی ہوس اقتدار کی خاطر جنگ و جدل اور قتل و غارت کی انتہا ہے اور یہ معاملہ صرف یہیں پہ آکر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے بعد بھی مسلمانوں میں برابر تلوار چلتی رہی۔

وہ دین جس نے عالمگیر برادری اور آپس میں برابری کا علم بلند کیا تھا اس کے اصولِ سہ گانہ یعنی حریت، اخوت اور مساوات کا پرچم نت نئی گروہ بندیوں اور فرقہ سازیوں میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں سے سرنگوں ہونے لگا۔ ایسے عالم میں تسلیم و رضا کی خوگر، صبر و استقامت کی پیکر اور کاشانۂ رسالت میں پرورش پانے والی ہستیاں میدان حق و باطل میں حاضر ہو گئیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو سرخرو اور سربلند دیکھنا چاہتے تھے۔ جن کے دل و دماغ اور ہاتھ پیر کبھی خدا کے حکم کے خلاف

حرکت میں نہیں آئے اور نہ انہوں نے کسی مفاد و منفعت کے لئے کبھی غلط راستہ اختیار کیا۔

ان لوگوں کو جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق پیغام رسانی کا علم تھا وہ دوسروں تک بات پہنچانی جانتے تھے انہیں حق بات کہنے کا سلیقہ آتا تھا چنانچہ جذبہ ایمان سے سرشار ہو کر ان بزرگوں نے کسی امتیاز و تخصیص کو جائز نہ سمجھتے ہوئے مسلمانوں کو آئے دن کی تفریق اور انتشار سے بچانے کی مقدور بھر کوشش کی۔ دین اسلام کی خدمت کرنے والے یہ پاک نفوس جو مجلس نبویؐ کے تربیت یافتہ تھے جن کو بارگاہ نبوت سے علم و عمل کی سعادتیں میسر آئیں۔ پہلے دور میں صحابی کہلائے دوسرے دور میں جن بزرگوں نے صحابیوں سے استفادہ کیا وہ "تابعی" کہلائے۔ پھر تیسرے دور میں تابعین سے جن بزرگوں کو علم نصیب ہوا تبع تابعین کہا گیا۔ ان ادوار کے بعد اب اسلامی زندگی کا وہ دور شروع ہوتا ہے جس کو سیرت اولیاء کہتے ہیں یعنی جن علمائے اسلام اور بزرگان دین نے تابعین سے اکتساب کیا اور ان سے فیض یاب ہوئے انہیں اولیاء اللہ یعنی اللہ کے دوست کہا جاتا ہے۔ چنانچہ انہیں صحابہ اکرام تابعین تبع تابعین اور اولیاء اکرام کے لئے قرآن پاک میں اللہ نے ارشاد فرمایا کہ

"تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو نیکی کی

دعوت دے بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے
اور وہی لوگ فلاح یافتہ ہیں" (آل عمران ۱۱۲)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

"اللہ کے بندوں میں سے بعض وہ بندے ہیں کہ نبی شہید بھی ان پر رشک کرتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون لوگ ہیں؟ ہمیں ان کا حال بتائیے تاکہ ہم ان سے محبت کریں۔ آپؐ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر مال اور تکلیف کے اللہ کی وحی کے مطابق آپس میں محبت کرتے ہیں۔ ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور نہ وہ غم کھائیں گے جب کہ اور لوگ غم زدہ ہوں گے۔"

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ "بے شک اللہ کے اولیا پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غم کھائیں گے۔"

نیز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس نے ولی کو اذیت پہنچائی اس نے میرے ساتھ جنگ کرنے کو حلال سمجھا

مندرجہ بالا بیان کردہ آیات اور احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ

اللہ کے اولیا رجن کو اس نے اپنی دوستی اور ولایت کے لئے مخصوص فرمالیا وہ انس کے ملک کے مالک ہیں اور ان کو اپنی محبت کے لئے مخلوقات ہیں سے چن کر اپنے فعل کے اظہار کا نشان بنا دیا اور قسم قسم کی کرامات سے مخصوص کر دیا اور ان کی طبائع کو مفاسد سے بالکل پاک کر دیا اور نفس کی متابعت سے چھڑا دیا۔ پس ان کا مقصود اس کی ذات کے سوا کچھ نہیں اور نہ سوائے اس کے کسی اور سے ان کو انس ہے۔ وہ اولیاء اللہ گذشتہ زمانوں میں بھی ہوتے تھے اب بھی ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گے۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے اس امت کو تمام سابقہ امتوں پر شرف عطا فرما کر یہ ذمہ لیا ہے کہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ محفوظ رکھے گا چنانچہ اولیاء اللہ کا وجود شریعت محمدی کی حفاظت اور خدا تعالیٰ کی رحمت کا اظہار ہے۔

بلاشبہ اولیائے کرام کا صاحب کرامت ہونا نبوت کے صاحب معجزہ ہونے کی دلیل ہے لیکن ان کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ وہ صاحب علم وعمل تھے۔ تقویٰ اور طہارت کی سعادت ان کو حاصل تھی احکام شرعی کی بجا آوری نہیں جان سے پیاری تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ ان کے نزدیک شریعت کی حدود سے تجاوز کرنا کفر تھا اور خدا کی محبت میں مر مٹنا عین اسلام۔ چنانچہ یہی وہ کرامت ہے جس نے ان کی ذات کو

بابرکت بنا دیا اور ان میں بلا کی جاذبیت اور غضب کی کشش پیدا کی کہ لوگ دُور دُور سے ان کے پاس آپ سے آپ کھنچے چلے آتے اور فیض پاتے۔ ان بزرگوں کی زبان میں اثر تھا وہ منہ سے جو کہتے تھے وہ ہو جاتا تھا ان کے ہاتھ کے اوپر اللہ کا ہاتھ تھا جس کام میں ہاتھ ڈالتے اسے پایہ تکمیل کو پہنچا دیتے۔ اللہ تعالیٰ کے جو بندے اسے دل سے چاہتے ہیں اللہ بھی ان کو چاہتا ہے جو اللہ کے ہو جاتے ہیں اللہ ان کا ہو جاتا ہے۔

آج جب کہ دنیا روحانی تنزل اور مادی پریشانیوں کے پنجے میں گرفتار ہے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اسلام کی صحیح تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ موجودہ دنیا کو جس قدر روگ لگے ہوئے ہیں اس کی شفا قرآن حکیم اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے۔ لیکن افسوس موجودہ زمانے میں صوفیا اور علماء کرام کی اکثریت نے ظاہریت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے وہ دنیا کی صحیح رہنمائی نہیں کر رہے اور خاص کر علمائے کرام جن کو اشاعت دین کے ستون کہنا چاہیے قوم کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ منبر محمدی پر آ کر کچھ کہتے ہیں مگر منبر سے نیچے اُتر کر کچھ اور کرتے ہیں سٹیج پر تو کہتے ہیں کہ لباس سادہ پہننا چاہیے لیکن خود چالیس پچاس روپے گز والی شیروانی زیب تن کیے رہتے ہیں۔ آئے دن نت نئے فتنے بپا کر کے فرقہ بندی اور گروہ سازی کرتے ہیں اور شرافت

کا جامہ پہن کر طرح طرح کی برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں، منہ مانگا معاوضہ لے کر تقریریں کرنے سے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دین اسلام کی خدمت کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اولیاء اکرام کا تو یہ کردار ہے کہ انہوں نے مال و دولت کو لات مار دی۔ وطن مالوف کو چھوڑ دیا۔ دیارِ غیر میں جا کر تبلیغ اسلام کی۔ مگر ہمارے موجودہ دور کے علماء نے گزشتہ علمائے ربانی کے اس طرزِ عمل کو ترک کر دیا اور دنیا کی طرف جھک گئے ان کو چاہیئے تو یہ کہ وہ پہلے اللہ کے ولی نہیں اس کی محبت کو اپنائیں شریعت محمدیؐ کی پیروی کریں۔ تصوف کی عملی تعلیم حاصل کر کے پھر تبلیغی میدان میں آئیں اور آپس کے فروعی اختلافات دور کر کے اور فرقہ بندی سے بالاتر ہو کر ملت اسلامیہ کے بکھرے ہوئے شیرازے کو اپنی روحانی کشش اور فیض سے ملت واحد بنا دیں۔ مجھ جیسے رندوں اور گنہگاروں کی اصلاح کر کے قوم کو تباہی سے بچائیں۔ کاش وہ دورِ صدیق اور دورِ عمرؓ کی جیتی جاگتی تصویر بن کر پھر ہمارے سامنے آجائے تاکہ معاشرہ کی پاکیزگی کا گہوارہ بن جائے اور لوگ علمائے دین کا کردار دیکھ کر ان سے سچی محبت کرنے لگیں ان کے پاکیزہ وجود کی وجہ سے اسلام کی حقیقی روح سے پیار کرنے لگیں اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر اپنے دلوں میں پاک تبدیلی پیدا

کرکے آخرت کو سنواریں اور دنیا میں ان کے وجود سے فائدہ اٹھائیں۔

زنجان

زنجان ایران کا ایک تاریخی شہر ہے جو ایران کے شمال مغربی علاقے میں کوہ البرز کے دامن میں ایران کے موجودہ دارالخلافہ طہران سے تقریباً تین سو میل کے فاصلے پر واقع ہے، یہ ایران کا آخری شہر ہے جہاں فارسی بولی جاتی ہے اور مناظر قدرت کے لحاظ سے یہ شہر ایران کے انتہائی خوبصورت شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

پرانے وقتوں میں اس کی حقیقت اندجان سنجان کی طرح قصبے کی تھی لیکن آہستہ آہستہ یہ قصبے سے بڑھ کر ایک شہر کی شکل اختیار کر گیا خلیفہ دوم جناب حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب ایران کے مغربی علاقوں کی فتوحات شروع ہوئیں تو اس وقت یہ ایران میں شامل تھا۔ لیکن خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں جب خراسان اور ایران کے

بہت سے دوسرے علاقے فتح ہو گئے تو یہ شہر بھی مسلمانوں کی حکومت میں شامل ہو گیا۔ کافی عرصہ تک یہ سلطنت عراق کا حصہ رہا لیکن بعد میں جب سلطنتِ ایران وسیع ہوئی تو یہ پھر ایران کی حدود میں آگیا اور آج تک ایران میں شامل ہے۔

محلِ وقوع

جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ زنجان طہران اور سلطنت ترکیہ کی سرحد کے عین درمیان واقع ہے۔ اس شہر سے طہران تین سو میل ہے اور ترکی کی سرحد بھی تین سو میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس شہر کے مشرق میں ۷۰ یا ۸۰ میل پر قزوین کا شہر واقع ہے۔ اس کو بھی ایران کی تاریخ میں کافی اہمیت حاصل ہے۔ زنجان کے جنوب میں ۱۵۰ میل کے فاصلے پر ہمدان ہے اور مغرب کی طرف میانہ کا شہر ہے۔

آب و ہوا

اس شہر کی آب و ہوا کے متعلق اجمالاً یوں کہا جا سکتا ہے کہ پہاڑ کے دامن میں واقع ہونے کی وجہ سے موسم سرما اتنا سرد ہوتا ہے کہ بعض اوقات درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے گر جاتا ہے۔ موسم گرما میں سخت تپش ہوتی ہے۔

آسمان صاف رہتا ہے اور دن کے وقت تیز دھوپ ہوتی ہے۔ اس شہر میں بارش عام طور پر بہت کم ہوتی ہے لیکن زنجان کے اردگرد کا علاقہ سرسبز و شاداب ہے کیونکہ کوہ البرز کی چوٹیوں پر اکثر سردیوں میں برف جم جاتی ہے جو گرمیوں کے موسم میں پگھل کر اپنے دامنی علاقے کو خوب سیراب کرتی ہے اس وجہ سے زنجان میں بارش کی کمی کا اثر محسوس نہیں ہوتا۔

زنجان کے گردونواح کی پیداوار

زنجان کے گردونواح میں زیادہ تر کسان لوگ رہتے ہیں جن کا پیشہ کاشتکاری ہے۔ شہر کے گردونواح کے کھیت شہر کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔ ان کھیتوں میں زیادہ تر گیہوں جو اور باجرہ وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے۔ اس علاقہ میں پھلوں کے باغ بھی ہیں۔ عمدہ قسم کی کپاس کی پیداوار کے لئے بھی یہ علاقہ مشہور ہے۔

زنجان کی صنعتی اہمیت

شہر کے مرکزی حصے میں زیادہ تر دستکار رہتے ہیں۔ یہ شہر پرانے وقتوں میں چاندی کی مینا کاری کے لئے بہت مشہور تھا اور آج کل بھی یہ صنعت وہاں پورے عروج پر ہے۔ موجودہ دور میں یہ شہر بھی ایران کے دوسرے

شہروں کی طرح بہت ترقی کر رہا ہے اور بہت سی نئی صنعتیں قائم ہو گئیں ہیں اس شہر کے غالیچے اور قالین تمام ایران میں مشہور ہیں اور بہت نفیس ہوتے ہیں۔ یہاں شیشہ گری اور دیا سلائیاں بنانے کے کارخانے بھی ہیں۔ آج سے کوئی پندرہ برس پہلے زنجان کی بنی ہوئی دیا سلائیاں ہمارے لاہور شہر میں بھی آیا کرتی تھیں۔ اب چونکہ دیا سلائیاں یہیں بنتی ہیں اس لئے وہاں کی دیا سلائیوں کی برآمد بند کر دی ہے۔

زنجان ملک کی سب سے بڑی ریلوے لائن پر واقع ہے جو ایران کے ایک سرے یعنی نیشاپور سے شروع ہو کر ایران کے دوسرے سرے کو ملاتی ہے۔ شہر بہت صاف ستھرا ہے۔ بیشتر مکان پرانی طرز کے بنے ہوئے ہیں گلی کوچے صاف ستھرے اور کشادہ ہیں۔ شہر کا ہر حصہ پختہ سڑکوں سے ملا ہوا ہے۔

زنجان کی تاریخی اہمیّت

تاریخ ایران میں زنجان کے شہر کو تاریخی شہر ہونے کی حیثیت سے کافی اہمیت حاصل ہے۔ یہ ایران کا وہ شہر ہے جس میں خاندانِ سادات کی نامور ہستیاں اسلام پھیلانے کے لئے آئیں۔ پھر اسی خاندانِ سادات میں ایسے بزرگانِ دین پیدا ہوئے جنہوں نے دین اسلام کی تبلیغ کی

اور ان کی دینی خدمات کو تاریخ اسلام کے زرّیں اوراق کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

یہ شہر محمود غزنوی کے بیٹے فخر الدین بہرام شاہ کا پایہ تخت بھی رہا ہے ۱۲۳۲ء میں بہرام شاہ نے اس شہر میں قلعہ بھی تعمیر کروایا تھا تاکہ اسے کرد قبائل کی یورش سے محفوظ کیا جا سکے۔ یہ تھے وہ اسباب جن کی وجہ سے یہ شہر ایران کے پُر رونق اور تاریخی شہروں میں شمار ہونے لگا۔

مخزن اسرار میں نظامی گنجوی نے بھی زنجان کی تاریخی اہمیت کی تعریف کی ہے۔

مولانا رومؒ نے بھی چند ایام زنجان میں گزارے تھے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ ایران کے اس مردم خیز خطے نے عالم روحانیت کی جو نامور ہستیاں پیدا کی ہیں ان میں حضرت میراں حسین زنجانیؒ کے خاندان کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس سید خاندان میں علوم ظاہری و باطنی کے بہت سے پیشوا گزرے ہیں جنہوں نے برصغیر پاک و ہند کو آفتاب اسلام کی کرنوں سے منوّر کیا۔

حضرت شیخ شاہ حسین زنجانیؒ جو حضرت میراں حسین زنجانیؒ کے نام سے مشہور ہیں ان کا اصلی وطن زنجان ہے اس لئے آپ کو زنجانی کہا جاتا ہے

خاندان۔ ولادت و تعلیم

خاندانِ سادات

حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ کا سلسلہ نسب دسویں پشت میں خاندانِ سادات کے جدِ امجد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بیٹے اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لختِ جگر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے فرزند حضرت امام زین العابدین جو بیمار ہونے کی وجہ سے معرکہ کربلا میں شریک نہ ہو سکے اور اسی لئے زندہ رہے بعد میں آپ ہی سے خاندانِ سادات کا سلسلہ بڑھا۔

حضرت امام زین العابدین کے بیٹے حضرت امام باقر ان کے بیٹے حضرت امام جعفر صادق اور ان کے بیٹے امام موسیٰ کاظم تھے جو ساداتِ زنجانیہ کے جدِ امجد تصور کئے جاتے ہیں۔

حضرت امام موسیٰ کاظم ۷ صفر ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ
کا نام امّ حمیدہ تھا۔ آپ نہایت پرہیزگار اور متقی بزرگ تھے۔ ساری عمر
دین اسلام کی خدمت میں گزاری۔

آپ کی متعدد بیویاں تھیں جن سے ۲۵ بیٹے اور ۲۲ بیٹیاں پیدا ہوئے
آپ دنیاوی لحاظ سے نہایت متمول تھے مگر آپ کی دولت اکثر و بیشتر غربا
و مساکین کے کام آتی تھی۔ آپ نے ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔

آپ کی اولاد میں سے ایک سید بزرگ بنام ابو جعفر برقعی گزرے ہیں۔ جو
بغداد سے زنجان آئے اور انہیں سے سادات زنجانیہ کا سلسلہ نسب بڑھا۔

سیّد ابو جعفر برقعی

آپ بغداد میں پیدا ہوئے لیکن جوانی کے عالم میں تبلیغ اسلام کی خاطر
اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر زنجان آ گئے اور وہاں رہائش اختیار کی اور
آخری دم تک وہاں ہی رہے۔

آپ بڑے پرہیزگار اور متقی تھے۔ آپ نے اپنی تمام عمر دین اسلام
کی خدمت میں گزاری۔ آپ کو برقعی اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے چہرے
پہ نقاب اوڑھے رکھتے تھے۔

آپ کے سب سے چھوٹے بھائی عبدالرحمٰن قم میں قیام پذیر ہوئے

اور خداداد صلاحیتوں و ذہانت کی وجہ سے قمؒ کے نقیب مقرر ہوئے۔
انہوں نے اپنے بھائی حضرت جعفر کو زنجان میں ایک جاگیر دی۔ شروع
شروع میں جب ابو جعفر زنجان آئے تو آپ کو مالی تنگ دستی کا سامنا
کرنا پڑا لیکن کچھ عرصہ بعد جب آپ کو اپنے بھائیؒ کی طرف سے جاگیر مل
گئی تو آپ کی مالی حالت بہتر ہو گئی اور اسی جاگیر پر بسر اوقات کرتے تھے۔
آپ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام علی محمود رکھا یہی علی محمود
حضرت میراں حسینؒ کے والد ماجد ہیں۔

حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ کے والد ماجد

آپ کے والد ماجد کا نام حضرت سیّد علی محمود تھا۔ آپ کی پیدائش
سادات زنجان کے اس خاندان میں ہوئی جس سے ولایت زنجانیہ کا آغاز ہوا۔
حضرت سید علی محمود نے ابتدائی دینی تعلیم زنجان ہی میں حاصل کی،
مزید تعلیم کے لیے قمؒ تشریف لے گئے اور اپنے چچا کے ہاں قیام کر کے
اس عہد کے جید علماء سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ آپ کو علم فقہ اور علم
حدیث میں کمال حاصل تھا۔ نہایت پرہیزگار اور متقی بزرگ تھے۔ آپ
نے قمؒ میں دوران قیام میں حضرت موسیٰ کے ہاتھ پر بیعت کی جو اس
زمانے کے بہت بڑے پیر طریقت تھے۔ انہی کی صحبت میں رہ کر آپ

ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ ور ہوئے۔ آپ اپنے زمانے کے جید عالم تھے۔ آپ کی زندگی کا مشن دین اسلام کی تبلیغ تھا اور آپ نے اپنی عمر کا بڑا حصہ اسی مشن کی تکمیل میں صرف کر دیا۔ تواضع، شفقت، بشاشت، مروّت، عفو، وفا، حسن ظن اور تزکیہ نفس کی صفات آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔

آپ نے جوانی کے عالم میں مریم صغریٰ کے ساتھ شادی کی اور انہیں کے بطن مطہرہ سے آپ کی نسل چلی۔

آپ کی دنیاوی زندگی بہت سادہ تھی۔ اگرچہ آپ زنجان کے ایک خاصے بڑے جاگیردار تھے اور اس جاگیر سے خاصی آمدن ہوتی تھی۔ اگر آپ چاہتے تو شاہانہ زندگی بسر کر سکتے تھے لیکن دولت کی فراوانی ہوتے ہوئے بھی آپ نے بہت سادہ زندگی بسر کی۔ سادہ کھاتے پینے اور سادہ لباس پہنتے تھے۔ غربا اور مساکین کا بہت خیال رکھتے تھے۔ محتاجوں کی حاجت روائی کرتے۔ آپ نے زنجان میں وفات پائی وہیں دفن کئے گئے لیکن آج کل ان کی قبر کا نشان نہیں ملتا۔

حضرت میراں حسین زنجانیؒ کی والدہ ماجدہ

حضرت میراں حسین زنجانیؒ کی والدہ ماجدہ کا نام مریم صغریٰ ہے۔ آپ بھی

زنجان کے خاندان سادات سے تعلق رکھتی تھیں۔ بہت نیک خاتون تھیں۔ بڑی زاہدہ و عابدہ اور صوم صلوٰۃ کی سختی سے پابند تھیں۔ دین کے بنیادی مسائل اور اسلامی تعلیم سے پوری طرح بہرہ ور تھیں مال و دولت کی فراوانی ہونے ہوئے بھی گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی بلکہ گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں۔ اپنے والد گرامی اور شوہر نامدار کی طرح آپ کو بھی تبلیغ دین سے خاص شغف تھا۔ یہاں تک کہ آپ سے ملنے جلنے والی عورتوں میں بھی یہ شوق سرایت کر گیا تھا اور آپ کی تحریک و تلقین کی بدولت خواتین کی ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی تھی جو ہر وقت مستورات میں دین کی تبلیغ اور اخلاق کی اصلاح میں سرگرم کار رہتی تھیں۔

آپ اپنے خاوند کی نہایت فرمانبردار تھیں۔ ان کے بطن مطہرہ سے تین صاحبزادے تولد ہوئے جن کا نام دین و دنیا میں آج تک زندہ ہے

حضرت میراں حسین کا شجرہ نسب

امام ارباب طریقت، پیشوائے اولیا، اہل حقیقت واقف رموز شریعت شمس العارفین، قدوۃ السالکین، حجۃ الکاملین جناب شیخ حضرت میراں حسین زنجانیؒ قطب الاقطاب کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔

شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ

شہید کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امام زین العابدین رض

حضرت امام باقر رض

حضرت امام جعفر صادق رض

حضرت امام موسیٰ کاظم رض

حضرت ابراہیم اصغر رح

حضرت موسیٰ ثانی رح

حضرت ابراہیم عسکری حسن رح

حضرت ابوجعفر برقعی رح

حضرت علی محمود

حضرت سید میران حسین زنجانی رح ولادت ۳۳۶ سنہ ھ	حضرت سید میر موسیٰ زنجانی رح ۳۴۰ سنہ ھ	حضرت سید یعقوب زنجانی رح ۳۵۰ سنہ ھ

ولادت و پرورش

پیدائش کے متعلق بشارت: حضرت شیخ میراں حسین زنجانیؒ کے والد بزرگوار کی عمر جب ۷۰ برس کی ہوئی تو اس وقت آپکے والد کو ایک رات خواب میں آپکے مرشد کی طرف سے بشارت ہوئی کہ اے علی اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے جو بیٹا عطا کریگا وہ خاندانِ سادات کے جد امجد حضرت امام حسینؓ کے نقشِ قدم پر چل کر دنیا کے مال و اسباب اور جاہ و جلال سے بے نیاز رہ کر دین اسلام کی خدمت کریگا یہی وجہ ہے کہ آپ شیخ شاہ حسین زنجانی کے نام سے مشہور ہوئے حالانکہ آپکا پیدائشی نام فخر الدین ہے۔ آپ نے اپنے والد کے مرشد کی بشارت کے مطابق سادات کے جد امجد جناب حضرت امام حسینؓ کی پیروی میں اپنے وطن مالوف کو چھوڑا اور تبلیغِ اسلام کے لئے شہر بہ شہر و قریہ بہ قریہ پھرے اور اسلام کا پیغام پہنچایا۔

پیدائش اور عہدِ طفولیت: حضرت میراں حسین زنجانیؒ ۳۳۶ھ[1] میں ۱۳ ربیع الاوّل کو بوقت صبح زنجان میں حضرت علی محمود کے گھر پیدا ہوئے عہدِ طفولیت میں آپکے متعلق یہ روایت ہے کہ آپ عام بچوں کی طرح کبھی روتے چیختے چلاتے نہ تھے، ہر وقت خوش و خرم رہتے تھے اگر کبھی والدہ محترمہ کام کاج میں مصروف ہوتیں اور دودھ وقت پر نہ پلا سکتیں تو بھی خاموش لیٹے رہتے تھے آپکی شکل بہت پیاری اور بھولی بھالی تھی جو بھی دیکھتا محبت سے بے اختیار آپ کا دلدادہ بنجاتا۔

---

[1] ملفوظات قاسمیہ از سید قاسم

بچپن میں صوم وصلوٰۃ کی عادت: آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو نماز کی تعلیم دی۔ چنانچہ آپ بچپن ہی سے اپنے والد کے ساتھ نماز اور نوافل تہجد کے پابند ہو گئے۔ آپ بچپن ہی میں نماز بڑے خشوع و خضوع سے ادا کرتے۔ بعض اوقات نوافل اور وظائف میں اس قدر مشغول ہوتے کہ دنیا سے بے خبر ہو جاتے۔ رمضان المبارک میں نماز تراویح کے علاوہ وظائف میں بھی مصروف رہتے اور بچپن ہی سے یہ حالت تھی کہ ایک لمحہ بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ رہتے۔

دینی تعلیم و تربیت: آپ کے والدین کا ماحول چونکہ بہت سادہ تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کو بھی بچپن ہی سے سادگی بہت پسند آنے لگی۔ ابتدائے عمر ہی سے آپ کو دینی علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا جب آپ کے والدین نے بیٹے کا یہ شوق دیکھا تو انہوں نے آپ کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دی اور خود ہی ابجد شناسی کے بعد قرآن کی تعلیم دینا شروع کی۔ قرآن ناظرہ کے بعد ترجمہ پڑھایا، پھر اس کے بعد ایک امام مسجد کے پاس مزید تعلیم کے لئے بٹھا دیا جو عربی اور فارسی کے جیّد عالم تھے۔ آپ نے چودہ سال کی عمر میں عربی اور فارسی پر عبور حاصل کر لیا۔ اس کے بعد آپ نے دس سال تک علم حدیث علم فقہ اور تفسیر پڑھی۔

طلب حق

تلاشِ مرشدِ کامل

دورانِ تعلیم ہی میں آپ کو اسرارِ باطنی حاصل کرنے کا بے پناہ شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ ۲۴ سال کی عمر میں ظاہری علوم سے بہرہ ور ہونے کے بعد آپ کو اسرارِ باطنی کے رموز حاصل کرنے کے لئے مرشدِ کامل کی ضرورت پیش آئی۔

اس زمانے میں حضرت ابوالفضل ختلیؒ ظاہری و باطنی علوم میں دستگاہ رکھتے تھے اور بہت بڑے محدث اور مفسر بھی تھے ــ علوم روحانی پر ان کو پورا عبور حاصل تھا۔ آپ اپنے زمانے کے جید عالم اور روحانی پیشوا تھے اور طریقہ جنیدیہ میں بیعت تھے۔ آپ علاقہ شام کے رہنے والے تھے لیکن تبلیغ دین کی خاطر گازرون (ایران) میں قیام پذیر تھے۔ چنانچہ آپ اپنے والد ماجد کو لے کر حضرت شیخ ابوالفضل ختلیؒ کی خدمت

میں حاضر ہوئے۔ اس مردِ مومن شناس نے نگاہ اٹھا کر حضرت حسین زنجانی کی طرف دیکھا۔ پاک نگاہیں پاک ہستی کو پہچان گئیں۔ کامل مرشد کامل مرید کو پہچان گیا۔

بیعت

حضرت شیخ ابوالفضل ختلیؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد آپ نے اظہارِ مقصد کیا اور عرض کی کہ یا حضرت آج میں آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے آیا ہوں۔ مرشد نے مرید کی خواہش کو رد نہ کیا بلکہ آپ کا ہاتھ اپنے دستِ حق پرست میں لے کر رموزِ باطنی کی تعلیم دینی شروع کر دی۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوالفضل ختلیؒ نے آپ کے والد ماجد سے فرمایا کہ انشاء اللہ یہ سلیم الفطرت اور حق پرست نوجوان اسلام کی اشاعت و تبلیغ کر کے دین و دنیا میں اعلیٰ مقام حاصل کرے گا چنانچہ کامل مرشد کی پیش گوئی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی اور آج ساڑھے نو سو سال گزر جانے کے باوجود لاکھوں انسان نہایت عقیدت و محبت سے آپ کا نام لیتے ہیں۔ آپ کے تبلیغی و روحانی کارناموں کی وجہ سے آپ کا نام تاریخِ اسلام میں زندہ ہے اور انشاء اللہ قیامت تک زندہ رہے گا۔

سلسلہ طریقت

تصوّف اور طریقت کے لحاظ سے آپ طریقتِ جنیدیہ سے وابستہ تھے یہ وہ سلسلہ ہے جس کی ابتدا پیرِ طریقت جناب حضرت شیخ ابوالقاسم جنید بن محمد سے ہوئی جو سید الطائفہ جنید بغدادی کے نام سے مشہور ہیں حضرت جنید بغدادیؒ صوفیائے عظام کے گروہ کے سردار اور اماموں کے امام تھے اور طاؤس العلماء کہلاتے تھے۔ صوفیا اکرام کے طریقت کے مذاہب میں آپ ہی کا سلسلہ سب سے زیادہ مقبول تھا۔ تقریباً تمام مشائخ واکابر جنیدی سلسلہ ہی میں گزرے ہیں۔ اس سلسلہ طریقت کا مسلک یہ ہے کہ انسان اللہ کی محبت میں مگن رہے۔

شجرہ طریقت

آپ کے شجرہ طریقت کا سلسلہ حسب ذیل ہے۔

حضرت شیخ سید میراں حسین زنجانیؒ

|

مرید خواجہ ابوالفضل محمد بن الحسن ختلیؒ کے

|

وہ مرید شیخ ابوالحسن حصریؒ کے

|

وہ مرید حضرت ابوبکر شبلیؒ کے

وہ مرید ابوالقاسم جنید المعروف حضرت سید الطائفہ جنید بغدادیؒ کے

وہ مرید حضرت سری سقطیؒ کے

وہ مرید حضرت معروف کرخیؒ کے

وہ مرید حضرت داؤد طائیؒ کے

وہ مرید حضرت حبیب عجمیؒ کے

وہ مرید حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے

وہ خادم شیر خدا جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے

وہ تابع طریقت تاجدار انبیاء فخر کون و مکاں احمد مجتبےٰ جناب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

ریاضت و عبادت و خدمتِ مرشد

حضرت میراں حسین زنجانیؒ نے ۲۴ سال کی عمر میں مرشد کامل حضرت ابوالفضل ختلیؒ کی مریدی و صحبت اختیار کی۔ آپ پر عین شباب کا عالم تھا شباب کا زمانہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب لذاتِ دنیوی اپنی طرف رغبت دلاتی ہیں۔ اور

خواہشات کا ہجوم ہوتا ہے۔ شباب کی ان فتنہ انگیزیوں سے اگر کوئی مرد خدا دامن بچا کر نکل جائے تو اسکی خوش قسمتی کا کیا کہنا چنانچہ حضرت میراں حسینؒ نے جبکہ ذیلے نے زنگ دبو کی رنگینیاں ہر طرف سے دعوت نظارہ دے رہی تھیں کو ٹھکرا کر مرشد کی خدمت اور صحبت کو اپنایا۔

آپ نے پچیس سال مرشد کی خدمت میں گزارے اور اسرار باطنی حاصل کرنے کیلئے بہت سے مجاہدے اور عبادت الہٰی کی۔ اس طویل عرصہ میں آپ نے مجاہدے اور ریاضت کیلئے کئی ایک مصائب اور ہر طرح کی سختیوں کو بھی برداشت کیا۔

آپکے پیرو مرشد نے آپکو کچھ اشغال و اذکار سکھائے اور خلوت میں بیٹھنے کی تاکید کی۔ آپ نے مرشد کی نگرانی میں کئی ایک چلے بھی کاٹے اور کافی مدت تک بحکم مرشد ایک مکان میں گوشہ نشین بھی رہے۔ اس عرصہ کے دوران نہایت قلیل غذا پہ قناعت کی اور یہ سارا عرصہ آپ نے ذکر الہٰی اور ورد و وظائف پڑھنے میں صرف کیا آپ اللہ کا بہت زیادہ ورد کیا کرتے تھے بزرگان دین اور صوفیا عظام کے قول کے مطابق یہ ورد دوسرے تمام وردوں سے افضل تصور کیا جاتا ہے

ایک روایت میں ہے کہ آپ خداوند تعالیٰ کی عبادت میں اس قدر مشغول رہتے تھے کہ بعض اوقات عشار کی نماز کے وضو ہی سے صبح کی نماز ادا کرتے تھے۔ خدمت مرشد کے دوران آپ نے طریقت اور تصوف کی عملی تعلیم بھی حاصل کی۔ آپ نے اپنے مرشد کی غلاموں کی طرح خدمت کی اور جب کبھی آپ کے پیر مرشد سیر و سیاحت کیلئے سفر

اختیار کرتے تو آپ کو ساتھ لے جاتے اور سفر میں پیر طریقت کا سامان اٹھاتے
اور مرشد کے ہر حکم کی تعمیل باعث سعادت سمجھتے ۔

علوم ظاہری و باطنی میں کامل دستگاہ اور مرشد کے زیر سایہ بکثرت مجاہدات و عبادات
سے آپکو حد درجہ کی استقامت عطا ہوئی حق و باطل نور و ظلمت میں امتیاز کرنیکی تمیز عطا
ہوئی ۔ آپ اس حقیقت کو پہچان گئے کہ شریعت محمدی میں قیامت تک تغیر و تبدل نہیں
ہو سکتا جو احکام شریعت کا مخالف ہو وہ بلا شبہ شیطان ہے ۔

خطاب میراں

آپکو آپکے پیر و مرشد حضرت ابو الفضل ختلیؒ نے میراں کا خطاب دیا جو رموز ولایت
میں اعلیٰ درجہ کی حیثیت رکھتا ہے وہ اولیائے کرام جو بلاد ہند میں آئے ان میں سے
سوائے آپکے کسی ولی کو یہ خطاب آپ سے پہلے حاصل نہیں ہوا آج تک آپ
بجائے اپنے اصلی نام کے اسی خطاب سے مشہور ہیں ۔

خرقۂ ولایت

آپکے پیر و مرشد حضرت ابو الفضل نے جب دیکھا کہ عظیم المرتبت مرید نے ظاہری و باطنی علوم
میں کامل دستگاہ حاصل کر لی ہے تو آپکے پیر و مرشد نے آپ کو خرقہ ولایت عطا کیا اور فرمایا

"اے حسین یہ خرقہ جناب سرور کائنات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا فرمایا انہوں نے خواجہ حسن بصری
کو عطا فرمایا اور ان سے دست بدست مجھ تک پہنچا۔"

سلسلہ طریقت کے مختصر حالاتِ زندگی

حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن ختلیؒ

حضرت میراں حسین زنجانیؒ کے روحانی پیشوا اور پیر طریقت حضرت ابوالفضل ختلی ہیں۔ آپ علاقہ شام کے رہنے والے تھے وہاں ہی دینی تعلیم حاصل کی۔ گازرون میں تبلیغ کی خاطر آئے اور عمر کا کثیر حصہ گازرون ہی میں گزارا۔

حضرت ابوالفضل بہت بڑے مفسرِ قرآن اور محدث تھے۔ تصوّف میں سلسلہ جنیدیہ سے نسبت رکھتے تھے۔ آپ خواجہ حصریؒ کے مرید تھے۔ ابوعمر قزوینی اور حضرت ابوالحسن بن سالبہ کے ہم عصروں میں سے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ سات سال تک مخلوقِ خدا سے قطع تعلق کر کے پہاڑوں میں ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے[1]۔ آپ علم تصوّف کے

---

[1] آفتاب ہجویر از پیام شاہجہانپوری

بہت بڑے ماہر اور عملی طور پر سچے صوفی تھے لیکن صوفیوں کی ظاہری وضع قطع سے اجتناب کرتے تھے بلکہ رسم کے ساتھ بہت سختی سے پیش آتے تھے حضرت داتا گنج بخش رح سے کشف المحجوب میں روایت ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں اپنے پیر طریقت سے زیادہ بارعب اور پرہیبت کوئی شخص نہیں دیکھا۔

حضرت میراں حسین زنجانیؒ کے مرشد کا قول ہے کہ دنیا ایک دن ہے اور ہم اس دنیا میں روزہ دار ہیں یعنی ہم اس سے کچھ حصہ نہیں لیتے اور نہ اس کی قید میں رہتے ہیں کیونکہ ہم نے اس کی خرابی کو دیکھ لیا ہے اس لئے ہم نے اس دنیا کے حجابوں سے واقف ہو کر اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔

کمالاتِ کشف

حضرت شیخ علی ہجویریؒ کشف المحجوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے مرشدِ کامل کے ہاتھ دھلا رہا تھا میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ جب تمام امور تقدیر اور قسمت سے وابستہ ہوتے ہیں تو پھر آزادوں کو پیروں اور پیشواؤں کا غلام کس واسطے بنایا جاتا ہے۔ کیا صرف پیروں کی کرامات کی امید پر۔ حالانکہ میرے دل میں یہ خیال اور وسوسہ ہی پیدا ہوا تھا اور یہ بات میں نے زبان سے نہیں نکالی تھی مگر پیر روشن ضمیر نے

اپنے کشف سے یہ بات معلوم فرمالی اور کہنے لگے بیٹا! جو کچھ تیرے دل میں خیال پیدا ہوا ہے مجھے معلوم ہو گیا۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو تاج و تخت دینا چاہتا ہے تو اس کو توبہ کرنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور وہ ایک مہربان دوست کی خدمت کرنے لگتا ہے۔ اسی خدمت کے نتیجہ میں اس کی کرامت ظہور میں آتی ہے۔

حضرت داتا گنج بخش کشف المحجوب میں اپنے مرشد کی دوسری کرامت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک بار میرے پیر طریقت بیت الجن سے دمشق کی طرف جا رہے تھے میں بھی ان کے ساتھ تھا چونکہ بارش کی وجہ سے کیچڑ ہو گئی تھی اس وجہ سے ہم لوگ بمشکل چل رہے تھے لیکن اس قدر کیچڑ کے باوجود جب میری نظر اپنے مرشد کے پائجامہ اور جوتی پر پڑی تو وہ بالکل خشک معلوم ہوتے تھے۔ میں نے شیخ سے اس کی وجہ دریافت کی تو جواباً فرمایا کہ جب سے میں نے توکل کے راستہ سے ہمت کو اٹھا لیا ہے اور وحشت سے باطن کو نگاہ میں رکھا ہے اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے ان الائشوں سے میرے قدموں کو پاک و صاف کر دیا ہے۔

آپ کے پیر طریقت کے متعلق مشہور ہے کہ پیر و مرشد نے مدت دراز تک ایک ہی لباس زیب تن کئے رکھا اور جب وہ پھٹ جاتا تو بلا تکلف اس میں پیوند لگا لیا کرتے تھے حتیٰ کہ وہ لباس جامہ در جامہ ہو گیا اور اصل

کپڑے کا نام و نشان ہی ختم ہو گیا۔

اقوالِ پیرِ طریقت

حضرت میراں حسین زنجانیؒ کے پیرِ طریقت کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ کرامت کا ظاہر نہ کرنا بہتر ہے لیکن اگر کوئی ولی اپنی ولایت کو ظاہر کر دے تو اس کے اظہار سے ولی کو نقصان نہیں پہنچتا۔

۲۔ حضرت خواجہ ابوالفضل ختلیؒ اپنے مریدین کو کم بولنے اور کم سونے کی بڑی تاکید فرمایا کرتے تھے۔

۳۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک نیند کا شدید غلبہ نہ ہو اس وقت تک ہرگز مت سو اور جب نیند سے بیدار ہو تو پھر دوبارہ سونے کی کوشش نہ کرو۔

۴۔ مسئلہ سماع کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جو منزل سے پیچھے رہ گئے ہوں سماع ان لوگوں کا توشہ ہے اور جو منزل پہ پہنچ گئے ہوں ان کو سماع کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ وصل کے محل میں سماع کے سننے کا حکم معزول ہو جاتا ہے

وفات

حضرت میراں حسین زنجانیؒ کے پیرِ طریقت کی وفات سنہ ۴۵۳ھ میں ہوئی۔

حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم الحصریؒ

سلسلہ طریقت میں آپ شیخ ابوالفضل کے پیر طریقت اور مرشد تھے۔
آپ بصرہ میں پیدا ہوئے اور آپ کے آباؤ اجداد بھی بصرہ ہی کے رہنے والے تھے لیکن حصول علم ظاہری و باطنی کے بعد آپ نے بغداد میں مستقل طور پر سکونت اختیار فرمالی اور یہیں ۳۹۱ھ میں فوت ہوئے۔
آپ شیخ عراق اور لسان وقت تھے۔ احوالِ تحقیق وعبادت و اشارات میں کمال رکھتے تھے۔ حضرت ابوالحسن حصریؒ بڑے باحشمت بزرگ صوفیوں اور اماموں سے تھے۔

اقوال

روایت کی گئی ہے کہ احمد نصر نے جو آپ کے مرید تھے ۶۰ مرتبہ حج کیا تھا۔ وہ اکثر خراسان سے احرام باندھ کر چلتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کعبۂ حرم کے درمیان احمد نصر نے کوئی ایسی بات کہہ دی جو حضرت حصری کو ناگوار گزری اور انہوں نے ان کو حرم کے باہر کردیا اور ان کے جانے کے بعد ہدایت فرمادی کہ اگر یہ خراسانی نوجوان آج کے بعد میرے پاس آنا چاہے تو اسے ہرگز نہ آنے دیا جائے۔ جب کچھ عرصے کے بعد احمد نصر پہنچے اور

آپ کی ملاقات کو گئے تو دربان نے انہیں اندر جانے سے روک دیا اور مرشد کا حکم سنایا ۔ مرید نے جب یہ سنا تو بے ہوش ہو کر گر پڑا جب احمد نصر کو وہاں پڑے کافی عرصہ گزر گیا تو ایک دن حضرت حصری باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ تمہیں اس بے ادبی کی یہ سزا دی جاتی ہے کہ تم ملک روم کے شہر طرطوس میں جاؤ اور وہاں ایک برس تک سؤر چراؤ اور جنگل میں نماز پڑھا کرو اور برابر ایک سال تک جاگو۔ حضرت احمد نصر نے کہا میں تعمیل حکم کے لئے تیار ہوں۔ انہوں نے اسی وقت روم جانے کا قصد کر لیا۔ نماز کا لباس اتار کر زنار کا لباس پہنا اور آپ کے حکم کی تعمیل کی ۔ ایک سال کے بعد جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے گلے سے لگا لیا اور فرمایا احمد تم میرے بیٹے ہو اور قرۃ العین ہو۔ احمد نصر خوشی سے پھولے نہ سمائے اور دوسرے حج کا قصد کیا جب حرم شریف پہنچے تو وہاں کے پیروں نے استقبال کیا اور کہا تم قرۃ العین ہو۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے حکم اور مرید کی تعمیل نے مرشد اور مرید کے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو جوڑ دیا۔

۲۔ حضرت حصری فرماتے ہیں کہ میں صبح کی نماز میں دعا کیا کرتا تھا کہ الٰہی میں ہر حال میں تجھ سے راضی ہوں اور تو بھی مجھ سے راضی رہ ۔ ایک روز آواز آئی کہ "اے جھوٹے اگر تو ہم سے راضی ہوتا تو ہماری رضامندی طلب نہ کرتا

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تمام صاحب دلوں پر نظر کی تو اپنے دل کو ان سب پر فائق دیکھا۔ جب میں نے تمام صاحب نظروں کی طرف عزت سے دیکھا تو مجھے اپنی عزت سب سے زیادہ نظر آئی۔

۳۔ فرمایا کہ ہمارا احوال توحید میں پانچ اشیاء پر ہے۔

اوّل رفع حدیث، دوم اثباتِ قدم، سوم ہجرانِ وطن، چہارم مفارقتِ احوال۔ پنجم نسیان یعنی جو کچھ جانتا ہے اسے بھلا دے اور جو کچھ اسے معلوم نہیں اس کی تلاش میں مشغول نہ ہو اور بالکل حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہے۔ فرمایا اگر بندہ کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو اس سے سوائے عصیاں اور ضلالت کے اور کچھ ظاہر نہ ہوتا۔ فرمایا جب حق تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہوتی ہے تو اس کی محبت کا ظہور ہوتا ہے۔

۴۔ فرمایا صوفی وہ ہے جو تمام موجودات سے علیحدہ ہو اور حق تعالیٰ کو پالے تو پھر اس بات کی ضرورت نہیں کہ ما سوی اللہ کی طرف التفات کرے۔

۵۔ فرمایا صوفی وہ ہے جس کا وجد اس کا وجود ہے اور اس کی صفات اس کا حجاب ہے۔

۶۔ تصوّف صفائی دل ہے کدورت اور مخالفت سے۔

۷۔ فرمایا جب تک جہان موجود ہے تفرقہ و پریشانی بھی موجود ہے جب جہان غائب ہو گیا تو حق تعالیٰ کا ظہور ہو گیا۔ دل جمعی کا نام حقیقت ہے اور حق تعالےٰ کے سوا کسی کو نہ دیکھے اور اسی سے باتیں کہے۔

حضرت ابوبکر شبلیؒ

حضرت ابوبکر شبلیؒ طریقت میں حضرت حصریؒ کے پیرو مرشد تھے تبع تابعین میں آپ کو بلند مقام حاصل ہے۔

پیدائش و تعلیم و تربیت

آپ کا پورا نام ابوبکر دُلف بن جحدر شبلی تھا ۲۴۷ھ میں سامرہ علاقہ عراق میں پیدا ہوئے اور شبلہ میں پرورش پائی اسی مناسبت سے آپ کو شبلی کہا جاتا ہے۔

شبلہ ایک گاؤں کا نام ہے جو سمرقند سے آگے شہر اسروشنہ کے اطراف میں واقع تھا۔ آپ کے خاندان کے افراد کسی زمانے میں عراق سے ترک وطن کر کے یہاں آباد ہو گئے تھے۔ آپ نسلاً مصری تھے ترکی ؟ اس بارے میں اختلاف ہے کسی نے آپ کو ترکی الاصل سمجھ

ہے۔ کسی نے خراسانی لکھا ہے اور کسی کے نزدیک آپ مصری تھے۔

آپ کے والد ایک صاحب اثر و ثروت سردار تھے۔ آپ کے خاندان میں چونکہ دنیاوی وجاہت کے سوا کوئی علمی فضیلت نہ تھی اس لئے آپ کی تعلیم کے بارے میں کچھ صحیح معلوم نہیں کہ کہاں پائی اور کن کن بزرگوں سے اکتساب علم کیا۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خاندان فقہ مالکی پر عمل کرتا تھا اور آپ نے تیس برس تک فقہ پڑھی۔ موطا امام مالک آپ کو زبانی یاد تھی۔

گورنری پر تقرر: شبلی نے تعلیم سے فراغت پا کر شاہی ملازمت اختیار کر لی۔ چونکہ آپ کا خاندان کئی پشتوں سے فوجی خدمات سر انجام دے رہا تھا اس لئے ان خدمات کے پیش نظر آپ کو نہاوند کا گورنر بنا دیا گیا۔

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ عباسی خلیفہ المعتضد باللہ کے جشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ سارا بغداد نئی نویلی دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ تمام علاقوں کے گورنر خلیفہ کے سامنے باادب ہاتھ باندھے کھڑے تھے سوئے اتفاق سے ایک گورنر کو چھینک آ گئی اور ناک سے رطوبت بہنے لگی کوئی رومال پاس نہ تھا چنانچہ گورنر نے ہاتھ سے ناک صاف کر لی۔ خلیفہ نے گورنر کی اس حرکت کو دیکھ لیا۔ فوراً عتاب ہوا گورنری جاتی رہی، خلعت چھن

گیا اور سخت بے عزت کر کے دربار سے نکال دیا گیا۔

شبلی نے اس معاملے کو دیکھ کر اپنے دل میں خیال کیا جس شخص نے شاہی آداب ملحوظ خاطر نہ رکھا شاہی خلعت کی توقیر نہ کی تو اس کا یہ انجام ہوا مگر جو شخص حاکم الحاکمین کے خلعت کا احترام نہ کرے اور آداب خداوندی اس کے پیش نظر نہ ہوں اس کا انجام کیا ہو گا۔ اس واقعہ نے آپ کے دل پر کچھ ایسا اثر کیا کہ گورنری کو لات مار کر فقیر ہو گئے مگر کس کے فقیر ہوئے؟ لوگوں کے در کے نہیں اللہ کے گھر کے اور اللہ کی محبت کے۔

جنید بغدادی کی مریدی اور تصوف کا حصول

فقیری اختیار کرنے کے بعد جب آپ کسی صاحب نظر کی تلاش میں نساج کی وساطت سے جناب جنیدؒ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت جنیدؒ نے آپ کو اس شرط پر صحبت میں لینا قبول کیا کہ آپ شدید سے شدید مجاہدے اور ریاضتیں کریں گے اور ان سے مطلق نہیں گھبرائیں گے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ جناب جنید بغدادیؒ نے آپ کے مزاج سے گورنری کی بو نکالنے اور طبیعت میں عجز و انکسار پیدا کرنے کے لیے آپ کو بھیک مانگنے پر مقرر کیا۔ چنانچہ آپ روزانہ بھیک مانگنے جاتے اور جو کچھ

لوگوں سے جو آتا لا کر فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیتے مگر خود بھوکے رہتے بھیک مانگنے میں آپ کو بڑی دشواری پیش آتی لوگ دیکھتے کہ آپ محتاج و معذور نہیں ہیں اس لیئے کچھ نہ دیتے مگر پھر بھی جوں توں کر کے مرشد کی تعمیل میں کچھ نہ کچھ لانا ہی پڑتا۔

شبلی بظاہر بہت گرم مزاج اور پُرجوش اللسان تھے اور جنیدؒ اگرچہ انہیں بہت پسند کرتے تھے لیکن ان کی بابت کہتے تھے کہ شبلیؒ ہمیشہ سرشار ہی رہتا ہے اگر وہ ہوش میں رہنے لگے تو خلق خدا کو فیض پہنچا سکے" والا امام ثابت ہو سکتا ہے۔ ایک دن شبلیؒ بازار میں داخل ہوئے تو لوگوں نے کہا! دیکھو وہ دیوانہ جاتا ہے۔ شبلیؒ نے یہ سن کر جواب دیا کہ تم سمجھتے ہو کہ میں دیوانہ ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ تم بہت ہوشیار ہو۔ خدا مجھے اور دیوانہ کرے اور تمہیں اور ہوشیار بنا دے[1]

تذکرہ نویسوں نے ایک اور واقعہ بیان کیا ہے جو شبلی کے مخصوص مزاج کی عکاسی کرتا ہے ایک دن سے انتہا مسرت و انبساط کے عالم میں شبلی جنیدؒ بغدادی کے پاس آئے۔ جنیدؒ اس وقت کچھ غمگین بیٹھے ہوئے تھے انہیں اس طرح دیکھ کر شبلی پوچھنے لگے کہ کیا بات ہوئی ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا "جو تلاش کرتا ہے وہی پاتا ہے" شبلی نے فی الفور جواب دیا کہ

---

[1] کشف المحجوب صفحہ ۲۴۴ ترجمہ از مولوی فیروزالدین

نہیں یا حضرت جو پا لیتا ہے وہی دراصل تلاش میں رہتا ہے۔
شبلی اشارات کے استعمال اور اپنے مختصر ملفوظات میں بہت اخفاء و ابہام سے کام لیتے تھے اس ابہام کی بہت سی مثالیں شث کے مجموعہ قدیم میں ملتی ہیں۔ شبلیؒ اپنے مجذوبانہ خلاف وضع باتوں اور اپنی عجیب غریب صوفیانہ عادتوں کے باعث نمایاں تھے منصور حلاج کے قصے میں جو شبلی کا کردار بیان کیا جاتا ہے وہ بہت اہم معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عام لوگوں کے سامنے تو منصور حلاجؒ کے طرز عمل کا رد کیا تھا لیکن دراصل وہ برابر ان کی عزت و تکریم کرتے رہے۔ اصول و عقائد کے اعتبار سے شبلیؒ کا مسلک وہی تھا جو حضرت جنید کا تھا لیکن اسلوب گفتگو اور طرز عمل میں دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

کمالات روحانیت: حضرت شبلیؒ ابتدا میں کہتے تھے کہ جو شخص اللہ کہے گا میں اس کا منہ شکر سے بھر دوں گا اس لیے آپ لڑکوں کو شکر دیتے تھے تاکہ وہ اللہ کہیں۔ چند روز کے بعد آپ نے فرمایا جو شخص اللہ کہے گا میں اس کو سونا چاندی دوں گا اور آپ نے اسی طرح کیا۔ اس کے بعد آپ پر ایک اور کیفیت ظاہر ہوئی اور آپ نے تلوار کھینچ لی اور فرمایا جو شخص اللہ کہے گا میں اس کا سر تن سے جدا کر دوں گا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ اس سے پہلے تو اللہ کا نام

لینے والوں کو شکر اور سونا چاندی دیتے تھے اب کیا ہوا ہے جو آپ لوگوں کا سر تن سے جدا کریں گے۔ آپ نے فرمایا میرا خیال تھا کہ یہ لوگ اللہ کو حقیقت اور معرفت سے یاد کرتے ہیں لیکن اب معلوم ہوا کہ لوگ محض لالچ یا عادت کی وجہ سے اللہ اللہ کہتے ہیں اور میں اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ لوگ حرص کی وجہ سے آلودہ زبان کے ساتھ اسے یاد کریں آپ جس جگہ اللہ کا نقش دیکھتے۔ بوسہ دیتے اور تعظیم کرتے۔ آخر ایک روز ہاتف نے آواز دی کہ کب تک اسم کے ساتھ مشغول رہے گا۔ اگر مرد طالب ہے تو اس کی تلاش میں قدم رکھ۔ جب آپ نے یہ آواز سنی تو آپ پر عشق غالب ہو گیا۔ اشتیاق اور درد نے غلبہ کیا آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنے آپ کو دریائے دجلہ میں ڈال دیا۔ اتنے میں ایک موج آئی۔ اس نے آپ کو کنارہ پر پھینک دیا۔ اسی طرح آپ نے عالم جذب میں کئی بار اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا لیکن حق تعالٰی نے آپ کی حفاظت کی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ اللہ تعالٰی کے لئے ہر وقت مٹنے کے لئے تیار رہتے تھے۔

بعض اوقات یاد الٰہی میں آپ پر دیوانگی کی ایسی کیفیت طاری ہو جاتی کہ آپ کو زنجیروں میں باندھ دیا جاتا۔ ایک دفعہ جب آپ پر دیوانگی طاری ہوئی اور زنجیر بے سود ثابت ہوئی تو آپ کو پاگل خانے میں لے گئے

اور ایک کمرہ میں بند کر دیا۔ ایک مدت اسی طرح رکھا۔ یہ دیکھ کر اس قید کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہوتا آخر کار آپ آزاد کر دیئے گئے۔

۳۔ ایک دفعہ آپ کئی رات دن تک ایک درخت کے نیچے بیٹھے رہے اور آپ پر وجد کا عالم طاری رہا اور عالم وجد ہی میں ساتھ ھُو ھُو کہتے رہے۔ لوگوں نے پوچھا یا حضرت یہ کیا بات ہے۔ آپ نے فرمایا ایک قمری اس درخت پر بیٹھی ہے اور کوُ کوُ کرتی ہے اور میں بھی اس کے ساتھ ہُو ہُو کرتا ہوں جب تک قمری خاموش نہ ہوئی آپ بھی خاموش نہ ہوئے۔

۴۔ ایک دن حضرت جنید کی خدمت میں چند اصحاب آپ کی تعریف فرما رہے تھے کہ آپ بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا تم غلط کہتے ہو وہ تو مردود و مخذول ہے۔ پھر فرمایا شبلی کو نکال دو۔ جب آپ باہر چلے گئے تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تم نے شبلی کی جو تعریف کی اس مدح سے میری یہ مذمت بہت بہتر ہے تم نے تو اس پر تیغ لگائی۔ میں نے آگے ڈھال کھڑی کر دی تاکہ وہ ہلاک نہ ہو جائے۔

۵۔ جب آپ درویش کامل ہو گئے تو آپ نے وعظ و تلقین کا کام شروع کیا۔ حضرت جنیدؒ نے آپ کو ملامت کی اور فرمایا وہ راز جو ہم نے تہ خانوں میں پوشیدہ رکھا تم آئے اور اسے برسر منبر ظاہر کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں وعظ کہتا ہوں اور میں ہی سنتا ہوں اور سوائے میرے دونوں عالم میں کون ہے

جس سے میں یہ باتیں کہتا ہوں۔ میری یہ باتیں حق سے حق کو پہنچتی ہیں نہ شبلی درمیان ہے اور نہ جنیدؒ۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو تمہارے لئے جائز ہے۔

۶۔ حضرت جنیدؒ بغدادی نے ایک مرتبہ آپ سے فرمایا کہ تم خدا کو کس طرح یاد کرتے ہو جب کہ تم میں یاد کرنے کی اہلیت ہی موجود نہیں۔ آپ نے جواب دیا میں اس کو مجاز سے اس قدر یاد کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو حقیقت سے ایک بار یاد کرتا ہے۔ یہ سن کر حضرت جنیدؒ نے ایک نعرہ مارا اس نعرہ کے اثر سے حضرت جنیدؒ خود بے ہوش ہو گئے تو اس وقت حضرت شبلیؒ نے فرمایا رہنے دو۔ اس درگاہ سے کبھی خلعت ملتا ہے اور کبھی تازیانہ۔ پھر فرمایا تصوف غیر سے دل کی حفاظت ہے اور ضبط قوی ہے مراعات انفاس بھی ہے۔ فرمایا صوفی اس وقت ہوگا جب کہ وہ تمام جہان کو اپنا عیال سمجھے گا۔ فرمایا صوفی وہ ہے جو لوگوں سے منقطع ہو اور حق سے متصل ہو۔ فرمایا جو شخص محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور بلا محبت محبوب کے کسی دوسری شئے کا طلب گار ہوتا ہے تو وہ ایسا دوست ہوگا جو محبوب پر استہزا کرتا ہے۔ محبت یہ ہے کہ ہر شئے کو دوست پر ایثار کرے فرمایا عارف وہ ہے جو کبھی تو ایک مچھر کی تاب نہ لا سکے اور کبھی سات زمینوں اور آسمانوں کو نوک پلک پر اٹھا لیوے۔ لوگوں نے کہا یا شیخ

ایک وقت تو آپ نے وہ کہا تھا لیکن اب آپ یہ کہتے ہیں، آپ نے جواب دیا کہ اس وقت ہم تھے لیکن اب ہم نہیں ہیں وہ ہے۔ فرمایا عاشق کا نشان نہیں ہوتا اور محبت کا گلہ نہیں ہوتا اور بندہ کو دعوٰی نہیں ہوتا اور ڈرنے والے کو قرار نہیں ہوتا اور کوئی شخص بھی حق تعالےٰ سے بھاگ نہیں سکتا۔ پھر فرمایا علم ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ بذاتِ خود اپنے نفس کو جانے۔ عبادت زبانِ علم ہے اور اشارت زبانِ معرفت ہے۔ فرمایا ہمت حق تعالیٰ کی طلب کرنا ہے اور جو کچھ اس کے سوائے ہے وہ ہمت نہیں ہے۔ فرمایا فقیر وہ ہے جو سوائے خدا تعالیٰ کے کسی شے کے ساتھ مشغول نہیں ہوتا۔ فرمایا شریعت یہ ہے کہ تو اس کی پرستش کرے اور طریقت یہ ہے کہ تو اس کی طلب کرے اور حقیقت یہ ہے کہ تو اس کو دیکھے۔ پھر فرمایا سب سے بہتر ذکر مذکور کے مشاہدہ میں ذکر کو فراموش کر دینا ہے۔ فرمایا اُنس یہ ہے کہ مجھے اپنے آپ سے وحشت ہو۔ لوگوں کے ساتھ انس پکڑنا افلاس ہے اور سوائے ذکرِ حق تعالیٰ کے زبان کو حرکت دینا وسواس ہے۔ فرمایا شکر یہ ہے کہ نعمت کو نہ دیکھے بلکہ منعم کو دیکھے۔

وفات: آپ نے ۳۳۴ھ؁ وفات پائی بغداد کے محلہ اعظمیہ میں ان کا مقبرہ آج بھی مرجع خلائق ہے۔

۱؎ کتاب اللمع (سراج) صفحہ ۴۰۰

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ جنیدیہ کے پیر طریقت جناب ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنید بغدادی (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں جن کا اصل نام جنید تھا۔ کنیت ابوالقاسم۔ لقب سید الطائفہ طاؤس العلماء اور قواریری تھا۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کے والد آبگینہ فروش تھے۔ اس رعایت سے آپ کو قواریری و زجاج کے القاب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت جنیدؒ خود خزّاز کے نام سے پکارے جاتے تھے جس کے معنی خام ریشم کا سوداگر کے ہیں۔

آپ بغداد ہی میں پیدا ہوئے۔ سنہ پیدائش قطعی یقین تو نہیں ہو سکتا البتہ قیاس ہے کہ آپ کی پیدائش ۲۱۰ھ میں ہوئی۔ بغداد ہی میں پرورش پائی لیکن آپ کے آباؤ اجداد ایران میں صوبہ جبال کے شہر نہاوند کے رہنے والے تھے نہاوند صوبہ جبال کا سب سے قدیم ترین شہر سمجھا جاتا تھا اور لوگوں کا خیال تھا کہ وہ طوفانِ نوح سے بھی پہلے کا ہے۔

آپ نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد کے زیر سایہ ایک دینی مدرسے میں حاصل کی۔ ان کے بچپن کے دورانِ تعلیم کے بہت سے واقعات مشہور ہیں لیکن ان میں سے صرف ایک واقعہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ مدرسہ سے گھر آرہے تھے ۔ والد ماجد بھی اسی راستے سے گھر آرہے تھے ۔ آپ نے والد ماجد کو روتے ہوئے دیکھا تو پوچھا اے والد محترم آپ کے رونے کی کیا وجہ ہے انہوں نے جواب دیا کہ آج میں نے مال زکوٰۃ میں سے کوئی چیز تمہارے ماموں کے پاس بھیجی تھی لیکن انہوں نے قبول نہیں کی ۔ اس لئے رو رہا ہوں کہ میں نے اپنی عمر ان پانچ درموں میں گزار دی ہے اور پھر بھی میں حق تعالےٰ کے دوستوں میں سے ایک کے بھی دوست نہیں ٹھہرے ۔ حضرت جنیدؒ نے اپنے والد سے کہا کہ مجھے دیجئے تاکہ میں ماموں جان کو دے آؤں ۔ آپ کے والد نے وہ درم آپ کو دے دیئے ۔ آپ درموں کو لے کر اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ کے مکان پر پہنچے اور کنڈی کھٹکھٹائی حضرت نے پوچھا ۔ کون ہے ۔ آپ نے جواب میں کہا "جنید" ۔ دروازہ کھولیئے ۔ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا میں یہ زکوٰۃ نہیں لوں گا ۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا آپ کو قسم ہے اس خداوند تعالیٰ کی جس نے آپ پر فضل کیا اور میرے باپ سے عدل کا سلوک کیا ۔ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا ۔ اے جنید وہ کونسا عدل ہے جو حق تعالیٰ نے تیرے باپ کے ساتھ کیا ہے ۔ اور وہ کونسا فضل ہے جو مجھ پر کیا گیا ۔ جنیدؒ نے فرمایا کہ اللہ نے آپ پر یہ فضل کیا ہے کہ آپ کو درویشی دی اور میرے باپ کے ساتھ یہ عدل کیا

ہے کہ ان کو دنیا میں مشغول رکھا ہے۔ اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ آپ
اسے چاہیں تو قبول کریں یا چاہیں تو رد کر دیں۔ میرا باپ چاہے یا نہ چاہے
لیکن ان کا حق ضرور ہے کہ وہ یہ زکوٰۃ کسی حق دار تک پہنچائیں۔ حضرت
سری سقطیؒ کو یہ بات بہت پسند آئی اور فرمایا۔ بیٹا قبل اس کے کہ میں
زکوٰۃ قبول کروں میں نے تجھے قبول کیا۔ اس کے بعد دروازہ کھول دیا
اور زکوٰۃ لے لی اور جنید کو اپنے دل میں جگہ دی۔

آپ ابھی کم سن تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد کی وفات کے
بعد حضرت سری سقطیؒ اپنے بھانجے (جنید) کو گھر لے گئے اور ان کی پرورش
و تربیت میں کسی چیز کی کمی نہ چھوڑی۔ ایک دفعہ جب کہ آپ کی عمر سات (۷)
سال کی تھی۔ حضرت سری سقطیؒ حج کی غرض سے بیت اللہ شریف
گئے تو جنید کو بھی ساتھ لے گئے بیت اللہ میں چار سو پیر طریقت جمع تھے
ان کی محفل میں مسئلہ شکر پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ہر ایک نے تقریر کی۔ حضرت
سری سقطیؒ نے فرمایا۔ اے جنید تمہیں بھی اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہیے۔
آپ نے تھوڑی دیر اپنا سر جھکائے رکھا۔ پھر کہا شکر یہ ہے کہ جو نعمت
حق تعالیٰ نے عطا کی ہے ——— اس کی وجہ سے اس کی نافرمانی
نہ کرے اور اس کی نعمت کو معصیت کا ذریعہ نہ بنائے۔ چار سو پیروں
نے کہا۔ اے لڑکے۔ اے ہماری آنکھوں کے نور! تو نے سچ کہا ہے

تو اپنی بات میں صادق ہے۔ ہم اس مسئلے پر اس سے بہتر نہیں کہہ سکتے۔ پھر سری سقطیؒ نے کہا کہ اے جنید ایسی باتیں تو نے کہاں سے حاصل کی ہیں آپ نے جواب دیا۔ آپ کے فیض صحبت سے۔ پھر آپ حج کے بعد بغداد واپس آ گئے۔

حضرت جنید نے ظاہری دینی علوم اپنے ماموں سری سقطیؒ کے زیر سایہ ہی حاصل کئے۔ ابو ثور سے فقہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کی ایک دن جب آپ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے اپنے ماموں سری سقطیؒ سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے دریافت کیا جنیدؒ کس مجلس میں جانے کا ارادہ ہے۔ آپ نے جواب دیا حارث المحاسبی کی مجلس میں حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا ہاں جاؤ۔ اس سے تعلیم و تربیت حاصل کرو لیکن اس کی نظری بحث استدلال اور معتزلہ کے معاملہ میں اس کی جرح و تردید سے ذرا آگاہ رہنا جنید کہتے ہیں کہ جب میں باہر نکلا تو حضرت سری سقطیؒ کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا خدا کرے تم ایک صوفی محدث ہو نہ کہ ایک محدث صوفی۔ نکی اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت سری سقطیؒ کا اس سے یہ منشا تھا کہ جنید کو حدیث و سنت کا علم سب سے پہلے حاصل ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد زہد و اتقا کی ریاضت کر کے وہ بیشک تصوف کے علم میں ترقی کریں اور باصفا صوفی بنیں۔

حضرت جنیدؒ کا ایک اور قول ملتا ہے کہتے ہیں کہ میں نے فقہ کی تعلیم ابو عبید و ابو ثور جیسے اساتذہ حدیث کے مسلک کے مطابق حاصل کی اور بعد ازاں میں نے حارث المحاسبی اور سری سقطی جیسے صوفیا کی صحبت اختیار کی اور یہی چیز میری کامیابی کا راز بنی۔ اس لئے ہمارا علم ہمیشہ قرآن و حدیث کے ضابطہ کے اندر رہنا چاہیئے۔ جس شخص نے قرآن حفظ نہیں کیا اور نہ حدیث باقاعدہ طور پر پڑھی اور تصوّف کا رخ کرنے سے پہلے فقہ کا علم بھی حاصل نہیں کیا۔ وہ ایک ایسا شخص ہے جسے رہنمائی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت جنید نے ابتدا میں اپنے آپ کو مروجہ تعلیم یعنی حدیث و سنت کے لئے ہی وقف کر دیا جس سے ان کے تصوّف کی بنیاد مضبوط ہو گئی۔

جب آپ کے کلام کو مقبولیت حاصل ہوئی تو حضرت سری سقطیؒ نے آپ کو وعظ کہنے کے لئے کہا تو آپ نے اپنے ماموں کے کہنے کی طرف کوئی رغبت نہ دی اور فرمایا کہ آپ کے ہوتے ہوئے بھلا میں کیسے وعظ کہوں۔ یہ سراسر خلاف ادب ہے۔ ایک رات آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وعظ کہنے کے لئے فرمایا۔ آپ صبح اٹھے اور ارادہ کیا کہ حضرت سری سقطیؒ سے جا کر خواب کا ذکر کروں۔ جانے کی غرض سے دروازہ کھولا تو حضرت سری سقطیؒ کو پہلے ہی

دروازے پر موجود پایا۔ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا آپ ابھی تک اسی خیال میں ہیں کہ دوسرے آپ کو وعظ کہنے کے لئے کہیں۔ ہم سب لوگ تو پہلے ہی سے آپ کو وعظ کہنے کے لئے کہہ رہے تھے لیکن آپ نے ہمارا کہنا نہ مانا اب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے۔ اب تو وعظ کہنا ہی چاہیئے آپ نے حضرت سری سقطی سے پوچھا کہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ہے۔ جناب باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنیدؒ کے پاس بھیجا ہے تاکہ منبر پر کھڑے ہو کر وعظ کہیں۔ جنید نے جواب میں فرمایا کہ میں اس شرط پر وعظ کہوں گا کہ اس مجلس میں چالیس سے زیادہ آدمی موجود نہ ہوں۔ ایک روز آپ نے وعظ فرمایا۔ مجلس میں چالیس آدمی موجود تھے۔ عشق خدا کا موضوع تھا۔ مجلس پر آپ کے وعظ کا اس قدر اثر ہوا کہ اٹھارہ آدمی اسی وقت جاں بحق ہو گئے۔ اور باقی بائیس اتنے بے ہوش ہو گئے کہ دوسرے آدمی انہیں کندھوں پر اٹھا کر لائے [1]

ایک روز آپ نے فرمایا کہ میرا دل گم ہو گیا تھا۔ میں نے حق تعالیٰ سے کہا کہ مجھے میرا دل دوبارہ عنایت کیا جائے۔ اتنے میں آواز آئی کہ اے جنیدؒ تو ہم سے دل اس لئے طلب کرتا ہے کہ کسی اور کی طرف متوجہ ہووے۔

---

[1] تذکرۃ الاولیاء از شیخ عطار صفحہ ۲۸۹

ایک روز شبلیؒ نے فرمایا کہ اگر حق تعالیٰ نے قیامت کے روز مجھے بہشت دوزخ کے لئے اختیار دیا تو میں دوزخ کو قبول کروں گا اس لئے کہ بہشت میرے اختیار میں ہے اور دوزخ دوست کی مراد ہے جو اپنا اختیار دوست کے اختیار پر مقدم رکھے اس کو دوست نہ کہنا چاہیئے۔ جب آپ نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ شبلیؒ لڑکپن ظاہر کر رہے ہیں اگر مجھے صاحب اختیار بنا لے تو میں کچھ بھی اختیار نہ کروں اس لئے کہ بندہ کو اپنے اختیار سے کیا کام بلکہ کہوں گا کہ جس جگہ تو بھیجے ہیں وہیں جاؤں گا اور میری پسند بھی وہی ہے جو تیری پسند ہے

مخالفوں نے آپ کے صوفیانہ کلام کے متعلق زبانیں دراز کیں اور آپ کا قصہ خلیفہ سے کہا کہ مخلوق ان کی باتوں سے فتنہ میں مبتلا ہوتی ہے خلیفہ نے جواب دیا کہ ان کو بلاحجت منع نہیں کیا جا سکتا بلکہ ایک طریقہ اختیار کیا کہ اپنی ایک کنیز جس کو خلیفہ نے تین ہزار درم کے عوض خریدا تھا وہ نہایت خوش جمال تھی اور اپنے زمانہ میں زیبائی و ملاحت کے لحاظ سے بے مثال تھی کو حکم دیا کہ وہ زر و زیور نہایت گراں بہا جواہرات سے آراستہ ہو کر حضرت جنیدؒ کے پاس جائے اور چہرہ سے نقاب اٹھا کر اپنے آپ کو اس کے پیش کرنا چاہیئے اور یہ کہنا چاہیے کہ میں نہایت مالدار ہوں۔ دنیا سے میرا دل سیر ہو گیا ہے اور میں آپ کے پاس اس غرض سے آئی ہوں کہ آپ مجھے اپنی صحبت میں قبول کریں اور میں آپ کی صحبت میں حق تعالیٰ کی عبادت کروں کیونکہ میرا دل اب

یہی چاہتا ہے کہ میں سوائے آپ کی صحبت کے اور کسی جگہ نہ بیٹھوں اور اس کنیز سے یہ بھی کہا گیا کہ تجھ سے جہاں تک ہو سکے چاپلوسی و خوشامد کر کے اصل حال دریافت کر کے آنا۔ خلیفہ نے ایک آدمی بھی ہمراہ دیا۔ الغرض وہ کنیز آپ کی خدمت میں پہنچی اور اس نے چہرہ سے نقاب اٹھا دیا جب آپ کی نظر اس پر پڑی تو آپ نے سر جھکا لیا کنیز کو جو کچھ تعلیم دی گئی تھی بعینہٖ کہنا شروع کیا آپ گردن جھکائے سب کچھ سنتے رہے پھر یکبارگی آپ نے سر اٹھایا اور ایک آہ کی۔ لونڈی اسی وقت گر پڑی اور فوت ہو گئی۔ غلام نے جا کر خلیفہ سے کہی۔ خلیفہ کے بدن میں آگ سی لگ گئی نہایت پشیمان ہوا اور خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اگرچہ لوگوں نے کہا کہ ان کو یہاں طلب کرنا چاہیے لیکن خلیفہ نے کہا ایسے شخص کو بلانا نہیں چاہیے۔ خلیفہ نے عرض کیا کہ اے شیخ آپ کا حال کیا ہے کہ آپ نے ایسی محبوبہ کو مار ڈالا اور جلا دیا۔ آپ نے فرمایا امیر المومنین کیا آپ کو مومنوں پر ایسی ہی شفقت ہے کیا آپ چاہتے تھے کہ میری چالیس سالہ ریاضت اور بے خوابی اور نفس کشی کو وہ کنیز برباد کر دیتی چنانچہ خلیفہ جواب سے مطمئن ہو کر واپس چلا گیا اور سمجھ گیا کہ آپ اللہ کے پیارے اور سچے صوفی ہیں اسکے بعد آپ نہایت ترقی کر گئے اور تمام جہان میں آپ کی شہرت پھیل گئی جس چیز پر آپ کو آزمایا گیا آپ اس سے ہزار درجہ بڑھ کر نکلے۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ میں نے شیطان کو دیکھنا چاہا میں مسجد کے دروازے

رہی تھا کہ میں نے دور سے ایک بوڑھے کو چلے آتے دیکھا۔ اس کو دیکھ کر میرے دل میں کچھ دہشت سی پیدا ہوئی میں نے کہا تم کون ہو اس نے کہا تمہاری آرزو۔ میں نے کہا ملعون تم کو کس نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے منع کیا اسنے جواب دیا کہ اے جنیدؒ میرے لئے کب جائز تھا کہ خدا کے غیر کو سجدہ کرتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں سن کر حیران رہ گیا۔ اس وقت مجھے ندا آئی کہ جنید اس سے کہہ کہ تو جھوٹ بولتا ہے اگر بندہ ہوتا حکم سے سرتابی نہ کرتا تو اس کی ممنوع چیزوں کے قریب نہ جاتا۔ ابلیس نے جب مجھ سے یہ بات سنی تو چلا اٹھا کہ خدا کی قسم آپ نے مجھے جلا دیا اور غائب ہو گیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک حجام سے اخلاص سیکھا ہے۔ جب میں مکہ معظمہ میں تھا ایک حجام ایک خواجہ کی حجامت بنا رہا تھا میں نے کہا کہ میرے بال بھی خدا کے لئے کاٹ دو۔ اس نے کہا ہاں اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ ابھی تک خواجہ کی حجامت پوری نہ بنی تھی کہ اس نے کہا کہ آپ اٹھ جائیے کیونکہ خدا کا نام درمیان میں آگیا تو میں نے سب کچھ پا لیا۔ پھر مجھ کو بٹھا لیا اور میرے سر کو بوسہ دیا اور میری حجامت بنا دی اس کے بعد مجھے ایک کاغذ دیا۔ اس میں یزگاری تھی اور مجھ سے کہا کہ اسکو اپنے خرچ میں خرچ کرنا۔ میں نے جب اسکی یہ حالت دیکھی تو نیت کی کہ جو اول کشائش نصیب ہو گی میں اس سے مروت کروں گا۔ ابھی بہت دن نہ گزرے تھے کہ لوگوں نے مجھے

بصرہ سے اشرفیوں کی تھیلی بھیجدی یہ لے کر اسی حجام کے پاس گیا جب میں نے اس کو دی تو اس نے کہا یہ کیا ہے۔ میں نے کہا یہ میری نیت تھی کہ جو کشائش اوّل ہو گی وہ میں تمہیں دوں گا۔ اس نے کہا تجھے خدا سے شرم نہیں آتی کہ تو نے مجھے کہا تھا کہ تو میری خدا کے لئے حجامت بنادے اب یہ کیا لے کر آیا ہے کیا یہ اس کا عوض ہے بھلا تم نے کہیں یہ دیکھا ہے کہ کوئی شخص خدا کے لئے کام کرے پھر اس کا عوض طلب کرے۔

المختصر حضرت جنیدؒ ایک باکمال عالم و فاضل تھے اللہ تعالےٰ نے انہیں ایک دقیقہ رس عقل ودیعت ہوئی تھی جس کا محیط بہت وسیع تھا۔ وہ اپنے زمانے کے علم کی مختلف شاخوں سے بخوبی آشنا تھے۔ فقہ۔ الہیات۔ اخلاقیات پر ان کی تعلیمات مستند سمجھی جاتی تھیں لیکن اس علم و فضل کے باوجود عزلت پسند اور خاموش طبع تھے اور صوفیانہ خود آگاہی کی کیفیت میں اپنے آپ میں مست تھے۔

سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ نے ستاسی سال کی عمر میں ۲۹۷ھ میں وفات پائی اور بغداد میں دفن ہوئے۔ بغداد کے ریلوے اسٹیشن اور ہوائی اڈے کے قریب ایک وسیع قبرستان میں نہ جانے کتنے غوث قطب ابدال لیٹے ہوئے ہیں۔ بیان کیا جاتا

ہے کہ اس قبرستان میں تقریباً دو لاکھ اولیاء اللہ دفن ہیں۔ اسی قبرستان میں حضرت جنید بغدادیؒ کا مزار مبارک ہے۔ آپ کے علاوہ سری سقطیؒ معروف کرخی، ابراہیم خواص، بہلول دانا، شاہ منصور حلاج اور ملکہ زبیدہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے بھی مزارات ہیں لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ تمام مزارات نہایت خستہ حالت میں ہیں قطعاً کوئی نگرانی نہیں بلاشبہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی زندگیاں اسلام کی تبلیغ کے لئے وقف تھیں، حکومت عراق کو ان کی حفاظت اور مرمت کی طرف پوری توجہ دینی چاہیئے۔[1]

---

[1] عرب کا مسافر صفحہ ۲۶ از مولوی محمد شریف نوری

سفر حیات

تبلیغِ اسلام کیلئے مرشد کا حکم

جب حضرت میراں حسین زنجانیؒ نے روحانیت کی منزلوں پر عبور حاصل کر لیا تو آپ کے شیخ طریقت نے خرقہ ولایت عطا کیا اور فرمایا کہ جاؤ بیٹا بلاد ہند میں جا کر تبلیغ اسلام کا کام شروع کرو اور ہندوستان کے لوگوں کو دعوتِ اسلام دو۔ مرشد سے حکم ملا تو تعمیل کے لئے آپ نے ہندوستان کا سفر اختیار کرنے کا ارادہ کیا۔

مرشد کے ارشاد کی تعمیل کے لئے آپ گازرون سے واپس زنجان اپنے والدین کے پاس گئے اور والدین کو اپنے مرشد کے حکم سے مطلع کیا۔ انہوں نے فرمایا بیٹا نیک کام میں تاخیر کیوں، جاؤ اللہ تمہارا نگہبان ہے۔ جب آپ کے دو چھوٹے بھائیوں کو معلوم ہوا کہ ہمارے بڑے بھائی حسین بحکم مرشد تبلیغ اسلام کے لئے ہندوستان جا رہے ہیں،

تو انہوں نے بھی ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ آپ کی زیرِ قیادت ایک چھوٹا سا قافلہ سفر کے لئے تیار ہوگیا جس میں آپ کے علاوہ آپ کے بھائی حضرت موسیٰ، حضرت یعقوب زنجانی مع اہل وعیال اور خاندان کے کچھ افراد بھی شامل تھے۔

سفرِ حیات کا آغاز

بحکم مرشد آپ نے ۳۸۵ھ میں اس تبلیغی سفر کا آغاز کیا۔

جب آپ زنجان سے چلے تو شام کا وقت ہو رہا تھا۔ راستے میں کوئی بستی نظر نہ آئی، ۲ میل چلنے کے بعد ایک کاشت کار کی جھونپڑی کے پاس سے گذر ہوا۔ اس کاشت کار کا نام سلیمان تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب ہمارے قافلے کے افراد نے جھونپڑی کو دیکھا تو ان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کاشت کار نے آپ کی بہت تواضع کی۔ آپ نے قافلے کے ہمراہ جھونپڑی میں رات گزاری۔

رات بسر کرنے کے بعد جب صبح ہوئی تو یہ قافلہ پھر روانہ ہوگیا چلتے وقت آپ نے سلیمان کے حق میں دعائے خیر کی۔

آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے قافلے کے چند افراد اپنے وطن مالوف کو چھوڑنے سے گریز اور مجبوری ظاہر کر رہے تھے لیکن آپ نے فرمایا کہ

جان اللہ کی دی ہوئی ہے اگر توحیدِ الٰہی اور دین محمدی کی تبلیغ و اشاعت کرتے ہوئے دم بھی نکل جائے تو اس سے بڑھ کر زندگی کا اور کولینا بہتر مقصد ہوگا جب قافلے کے افراد نے آپ کے یہ چند الفاظ سنے تو ان کے دلوں میں دین اسلام کی تبلیغ کے لئے ایک نئی روح پیدا ہوگئی اور آپ کے ساتھ سفر اختیار کرنے کو اپنی خوش قسمتی سمجھنے لگے۔

تبلیغ کا آغاز

سلیمان کی جھونپڑی سے چلنے کے بعد آپ بیس میل کا فاصلہ طے کر کے ایک قصبے میں پہنچے جس کا نام تونہ تھا تونہ کے اکثر لوگ زرتشتی تھے۔ آپ نے وہاں سے تبلیغ کا آغاز فرمایا اس قصبے کے لوگوں کو اکٹھا کر کے آپ نے ان کو توحید الٰہی کا درس دیا آپ کے اس درس تبلیغ کے نتیجے ہی میں تین آدمی نور ایمان سے منور ہوئے۔ آپ ایک مہینہ اس قصبے میں ٹھہرے۔ اس کے بعد آپ نے عبداللہ کے حق میں جو ابھی نیا مسلمان ہوا تھا دعائے خیر فرما کر روانگی کا ارادہ فرمایا اس نو مسلم کا نام عبداللہ آپ نے حدیث نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق رکھا۔ یہ نام اللہ کے ہاں سب ناموں سے نزدیک اور پسندیدہ ہے۔

آپ نے بذریعہ کشف اپنے مرشد سے آئندہ قدم اٹھانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ کے مرشد نے فرمایا کہ اپنا سفر سادگی کے ساتھ جاری رکھو نیز یہ بھی فرمایا کہ راستے میں تکالیف ضرور ہوں گی مگر اللہ تعالیٰ اپنے حبیبؐ کے صدقے اپنے محبوب بندے پر مہربانی کرتا ہے آپ نے سادگی کو قبول فرمایا اور قافلے کو چلنے کا حکم دیا۔

سفرِ قزوین

قصبہ تونہ سے کوچ کرنے کے بعد آپ نے قزوین کا رخ کیا۔ قزوین ایران کا ایک تاریخی شہر ہے اور اسے بھی ماضی میں بہت اہمیت حاصل رہی ہے۔ قزوین کو طہماسپ اوّل نے اپنا پایہ تخت قرار دیا تھا اور جب ہندوستان کا مغل بادشاہ ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھا کر گیا تو کچھ عرصہ اسی قزوین میں شاہ طہماسپ اوّل کے پاس مقیم رہا تھا اس زمانے میں شاہ طہماسپ اوّل کے محلات قابلِ دید تھے جو اب تباہ ہو چکے ہیں صرف محل کا صدر دروازہ باقی رہ ہے جو علی قپی کے نام سے مشہور ہے۔

قزوین میں پہنچکر آپ نے ایک مسجد میں قیام کیا۔ قزوین میں اکثریت مسلمانوں کی تھی لیکن ان میں حقیقی روحِ ایمانی کی کمی تھی آپ نے ان مسلمانوں کو سچا مسلمان بنانے اور ان میں اسلام کا حقیقی جذبہ پیدا کرنے

کی کوشش کی۔ قزوین میں ایک دن آپ کو چند اشخاص ایسے ملے جو علوم ظاہری کے علاوہ علوم باطنی سے بھی تھوڑی سی واقفیت رکھتے تھے۔ آپ نے ان کو مرشد کامل کی صفات کے متعلق چند الفاظ بتائے جن کا فارسی سے اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔

"آپ نے فرمایا کہ مرشد کامل میں وہ سب صفات ہوتی ہیں جن کی بدولت وہ مرید کو ایک دن میں خداوند تعالیٰ تک پہنچا دیتا ہے مگر طالب کیلئے صادق الیقین ہونا ضروری ہے۔"

چند دن قزوین میں ٹھہرنے کے بعد آپ آگے بڑھے۔

شہر رے

قزوین سے روانہ ہوتے وقت آپ کے چھوٹے بھائی حضرت یعقوب زنجانی نے آپ کو مشورہ دیا کہ شہر رے کو بھی دیکھنا چاہیے چنانچہ آپ نے رے کا رخ کیا جب وہاں پہنچے تو عصر کا وقت تھا۔ نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے ایک رات اور ایک دن وہاں قیام کیا اور اس کے بعد آگے چل پڑے۔

شہر رے اس زمانے میں بارونق شہر تھا یہ شہر بغداد کے بعد آبادی اور خوش حالی کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر تھا۔ تغلق بن سلجوقی نے اسے اپنا دارالخلافہ بنایا اس طرح اس کی شان و شوکت میں بہت اضافہ ہو گیا۔

عمارتیں خوبصورت اور چھوٹی اینٹوں سے بنی ہوئی تھیں۔ فضا صاف ستھری
راستے کشادہ اور عمارتیں نہایت پرشکوہ تھیں لیکن رے شہر کی عظمت
شان و شوکت زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی اس شہر کو منگول حملہ آوروں نے
۱۲۲۱ء میں یلغار کر کے خاک میں ملا دیا۔ اس کے بعد چنگیز خاں نے
اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اب سوائے چند کھنڈروں کے کچھ
نہیں آتا۔

سفرِ سبزوار

رے شہر سے رخصت ہونے کے بعد ۳۵ میل کا فاصلہ طے کر کے
سبزوار کے مقام پر پہنچے سبزوار میں سید عبدالحمید کی اولاد موجود تھی جو سادات
عظام میں سے تھے یہاں کے زیادہ گھر اپنے مسلمان تھے چند گھر زرتشتی
کے بھی تھے۔ اس شہر میں آپ نے صرف ایک دن قیام کیا اور زرتشتی گھرانوں کو
دعوتِ اسلام دی لیکن افسوس کہ انہوں نے یہ دعوت قبول نہ کی۔

نیشاپور

سبزوار میں اس مختصر سے قیام کے بعد آپ پھر چل پڑے۔ راستے میں تمغان
اور واقطان میں قیام کرتے ہوئے نیشاپور پہنچے۔ نیشاپور میں زرتشتیوں

عیسائی دونوں مذاہب کے لوگ رہتے تھے۔
سبکتگین کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے اسماعیل نے غزنی میں اپنی حکومت کا اعلان کر دیا اور محمود چاہتا تھا کہ وہ اپنے باپ کے تخت کا وارث بن کر دین اسلام کی بھی خدمت کرے۔ چنانچہ وہ کسی ایسے بزرگ کی جستجو میں نیشا پور پہنچا جو اس کے لئے اللہ کے حضور میں دعا کرے اور محمود اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ اتفاق کی بات ہے کہ ایک دن وہ نیشا پور کے اس علاقے میں سے گزرا جہاں ایک مختصر سا مجمع تھا اور حضرت میراں حسین زنجانی تبلیغ فرما رہے تھے۔ یہ دیکھ کر محمود وہیں ٹھہر گیا جب آپ کا وعظ ختم ہوا تو اس نے اپنا مدعا بیان کرنے کے بعد درخواست کی کہ یا حضرت دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے اپنے والد کا تخت حاصل کرنے میں کامیابی فرمائے۔ چنانچہ آپ نے ہاتھ اٹھا کر بارگاہ رب العزت میں دعا کی کہ یا الٰہی اپنے محبوب پاک کے صدقے سائل کی مراد پوری کر۔ محمود دعائے درویش لے کر واپس لوٹا۔ چند دنوں کے بعد ہرات کے مقام پر اسماعیل اور محمود کے مابین جنگ ہوئی۔ اسماعیل مارا گیا اور محمود کو فتح نصیب ہوئی۔ تخت نشین ہونے کے بعد محمود نے آپ کو کثیر تعداد میں سامان رسد اور بہت سے گھوڑے نذر کئے۔ ایک پروانہ حفاظت بھی لکھ دیا تاکہ اثنائے سفر میں آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

ہرات

نیشا پور سے آپ نے ہرات کا رخ کیا اور طویل سفر کی صعوبت برداشت کرنے کے بعد ہرات پہنچے۔ یہاں افغان قوم کے لوگ آباد تھے، ان کی زبان پشتو تھی اور آپ کو اس زبان سے معمولی سی واقفیت تھی۔ چند روز ہرات میں قیام کرنے کے بعد آپ نے اپنا سفر شروع کر دیا اور ایک گاؤں میں پہنچے جس کا نام اسماعیل خیل تھا وہاں وحشی قسم کے لوگ آباد تھے لیکن آپ نے محمود کی لکھی ہوئی تحریر حفاظت دکھائی تو ان لوگوں نے آپ سے تعرض نہ کیا۔

کاکا خیل کا گاؤں

اسماعیل خیل کے بعد آپ کاکا خیل پہنچے۔ یہ مقام اسماعیل خیل سے ۲۶ میل کے فاصلے پر تھا۔ کاکا خیل میں صرف ایک بازار تھا ہر گھر میں سامانِ جنگ موجود تھا ہر گھر کی چھت پر مورچہ بنا ہوا تھا مشہور تھا کہ یہ لوگ خالد بن ولید کی اولاد سے ہیں۔ کاکا خیل میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد اپنا سفر پھر شروع کر دیا۔ اس علاقے میں آپ اور آپ کے قافلے نے زیادہ تر پھلوں پر گذارہ کیا کیونکہ افغانستان کے اس علاقے میں انار، انگور، سردا، بادام، پستہ، خوبانی بکثرت پیدا ہوتے ہیں اس آبادی کے

بعد پہاڑ تھے جن کو عبور کرنا بہت مشکل تھا۔ اس واسطے آپ نے وہ راستہ اختیار کیا جو اگرچہ طویل تھا لیکن زمین ہموار تھی ۔

ہزارہ

یہ طویل راستہ طے کرنے کے بعد آپ ہزارہ پہنچے ہزارہ افغانستان کے وسط میں واقع تھا۔ یہ علاقہ پہاڑی تھا اور غیر آباد بھی۔ آپ کا گذر اس علاقے کی ایک معمولی سی بستی سے ہوا جو تقریباً ۲۰ گھروں پہ مشتمل تھی۔ اس بستی کا سردار ایک بارعب افغان شیبانی خان تھا جو نہایت متواضع مسلمان تھا۔ اس نے آپ کو تین دن اپنے ہاں ٹھہرایا اور نہایت خاطر تواضع کی۔ آپ نے اس آبادی کے لوگوں سے پوچھا کہ آپ کا ملک زرخیز بھی ہے یا نہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہزارہ کا علاقہ پورے ملک کے چوتھے حصے پر مشتمل ہے مگر بنجر ہے البتہ بدخشاں اور مزار شریف کے علاقے نہایت سرسبز ہیں جو یہاں سے کافی دور ہیں۔ اس کے بعد آپ ان لوگوں سے رخصت ہوئے ۔

سفر جنجو عم

بستی شیبانی خاں سے روانہ ہو کر ۱۵ میل کے فاصلے پر ایک مقام آیا

جس کا نام جنجوعہ تھا۔ یہ مقام بہت پُر فضا تھا آب و ہوا بہت اچھی تھی جنجوعہ کے اردگرد ہرے بھرے باغات تھے۔ لوگ با اخلاق تھے۔ پشتو زبان بولتے تھے۔ ان کا ایک سردار تھا وہی فیصلے کرتا تھا اس کا نام حشمت خان تھا جنجوعہ سے تھوڑے فاصلے پر چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں مگر یہ پہاڑیاں خشک تھیں۔ جنجوعہ سے تقریباً تین سو میل دور دو ریگستان ہیں جو جنوب کی طرف واقع ہیں ان کو صحرائے سیستان کہتے ہیں۔

مہند

جنجوعہ سے چلنے کے بعد آپ ایک گاؤں میں پہنچے جس کا نام مہند تھا یہ جنجوعہ سے بیس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس کی آبادی اسّی نفوس پر مشتمل تھی۔ ان میں سے اکثر کا پیشہ بھیڑ بکریاں چرانا تھا لوگ مسلمان خوش خلق حنفی مذہب کے پیرو تھے خاندان سادات کے بہت زیادہ معتقد تھے۔ انہوں نے آپ کی نہایت عزت کی۔ کچھ سامان رسد اور سواری کا سامان بھی نذر کیا۔

چلنبہ

سواری کا سامان ملنے سے آپ کو سفر میں آسانی ہوگئی ۸۰ میل کا فاصلہ طے

کر کے ایک دیہات میں پہنچے جس کا نام چنبہ تھا چنبہ کے لوگ سلطان محمود
سے بہت محبت رکھتے تھے۔ جس شخص کے گھر آپ نے رات بسر کی
اس کا نام دراب خان تھا وہ عرصے سے آشوب چشم میں مبتلا تھا آپ
نے پانی دم کر دیا اسں کو آرام آگیا۔ جب چنبہ کے لوگوں کو اس واقعہ کی
اطلاع ملی تو لوگ آپ کے پاس آ بیٹھے آپ نے ان سب لوگوں کے
حق میں دعائے خیر کی اور اگلی منزل کے لئے روانہ ہو گئے۔

ہلمند

چنبہ سے روانہ ہونے کے بعد آپ نے سو میل کا فاصلہ طے کیا اور
ایک بستی آئی جس کا نام ہلمند تھا۔ اس بستی کے تمام مکان پتھر کے تھے۔ یہ
لوگ زیادہ تر خچر اور گدھوں پر سواری کرتے تھے یہاں کے لوگوں نے
التجا کی کہ ہمارے تالاب کا پانی کھاری ہے۔ آپ دعا فرمائیں اس کا
پانی میٹھا ہو جائے۔ آپ نے اللہ تعالٰی سے دعا کی اور تالاب کا پانی میٹھا
ہو گیا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر اس بستی کے لوگ آپ کے معتقد ہو گئے اور
اس تالاب کا نام آپ کے نام پر حسینی تالاب رکھا گیا ہے۔ یہ تالاب ہلمند
میں آج تک اسی نام سے مشہور ہے ہلمند کا سردار جمید گل تھا اس نے
گراں قدر نذرانہ پیش کیا مگر آپ نے قبول نہ فرمایا البتہ جمید گل نے داری

کا جو سامان پیش کیا تھا وہ آپ نے قبول فرما لیا۔ ہلمند کے لوگ آپ کے ساتھ سات میل تک آئے اور آپ کو الوداع کر کے واپس گئے۔

غزنی میں آمد

ہلمند کے آگے کوہ ہندوکش کی پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے چونکہ انہیں براہ راست عبور کرنا نہایت دشوار تھا۔ اس لئے آپ ان پہاڑیوں کا چکر کاٹ کر غزنی پہنچے۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کہ سلطان محمود ہندوستان پر حملے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ آپ نے محلہ دارالسلام میں سکونت اختیار کی وہاں سادات عظام کے چند گھر موجود تھے۔ ان لوگوں نے آپ کو مدعو کیا۔ آپ نے ان لوگوں کی دعوت رد نہ فرمائی چند روز کے بعد غزنی کے ایک افغان سردار نجیب خاں نے آپ کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ چنانچہ آپ نے بیس دن اس افغان سردار کے پاس گزارے نجیب خاں نہایت راست باز اور پرہیزگار انسان تھا۔

غزنی میں آپ کے خوارق

ایک روز کا واقعہ ہے کہ نجیب خان نے آپ سے سوال کیا کہ یا حضرت بتائیں کہ اولین و آخرین اور بدترین بخت کون دو انسان ہیں۔

آپ نے جواب دیا کہ اولین وآخرین بدترین انسان قدار بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ملجم ہیں۔ حضرت صالحؑ کی اونٹنی کو قتل کرنے والا قدار بن عمر تھا اور حضرت علیؓ کو شہید کرنے والا عبدالرحمان بن ملجم تھا۔ قدار بن عمر زنا زادہ تھا عبدالرحمان بن ملجم بھی زنا زادہ تھا۔

حضرت صالحؑ کی قبر نجف میں ہے، اور حضرت علیؓ کی قبر بھی نجف میں ہے۔ حضرت صالح کی اونٹنی کو شہید کرنے والے قدار کی معشوقہ قطام تھی اور حضرت علیؓ کو شہید کرنے والے عبدالرحمن بن ملجم کی معشوقہ کا نام بھی قطام تھا۔

• حضرت صالح کی اونٹنی وقت کے مقتدر اعلیٰ عنیزہ کی سازش سے قتل کی گئی اور حضرت علیؓ بھی مقتدر اعلیٰ جماعت خارجی کی سازش سے شہید ہوئے تھے۔

۲۔ پھر نجیب خان نے سوال کیا کہ دنیا میں کونسی ایسی مخلوق ہے جو بطنِ مادر سے پیدا نہیں ہوئی۔

آپ نے جواب فرمایا۔

(۱) حضرت آدم (۲) حضرت حوّا (۳) گوسفند ابراہیم

(۴) ناقۂ صالح (۵) مارِ بہشت (۶) اور شیطان۔

نجیب خان اپنے دونوں سوالوں کا جواب سن کر حیران رہ گیا حتیٰ کہ کر

سلام کیا اور حضرت میراں حسین سے کہا کہ آپ نے میرے دل کو اطمینان کی دولت سے مالامال کر دیا۔ میں اور میری اولاد آپ کی خادم ہو گئی۔

کابل میں آمد

غزنی سے آپ نے کابل کا رخ کیا۔ راستے میں ایک رات شرنج کے مقام پر بسر کی۔ وہاں سے کابل پہنچے۔ کابل غزنی سے ۵۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ شہر دریائے کابل پر واقع ہے۔ اس زمانے میں اس شہر کی عمارتیں چھوٹی اینٹ سے بنی ہوئی تھیں۔ بعض مکان پتھروں کے بھی تھے۔ کابل میں آپ نے ایک روز قیام کیا اور پھر جلال آباد کو روانہ ہو گئے۔

جلال آباد میں ورود

راستے میں چھوٹا سا قصبہ آیا جس کا نام جانباز تھا۔ اس قصبے کے لوگ حنفی عقیدے کے پیرو تھے۔ اثنائے راہ میں ایک گنجا ملا جس کی حالت پر آپ کے بھائی حضرت یعقوب زنجانی کو ترس آیا اور انہوں نے اسے پانی دم کر کے دیا اور کہا کہ اس دم کئے ہوئے پانی سے پانچ دن نہائو۔ گنجے نے اس پر عمل کیا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تندرست ہو گیا۔

قصبہ جانباز سے ۴۰ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک بستی آئی جو انتیس[۲۹] گھروں پر مشتمل تھی۔ یہ راستہ زیادہ کٹھن اور پتھریلا تھا لیکن آپ کے قافلے کو سواری کے لئے گھوڑے مل گئے اور اس لئے یہ سفر زیادہ دشوار محسوس نہ ہوا۔ اس طرح یہ قافلہ جلال آباد پہنچ گیا۔ جلال آباد اس زمانے میں اچھا خاصا بارونق شہر تھا لوگ سب افغان نسل سے تعلق رکھتے تھے اور حنفی عقیدے کے پیرو تھے۔ ان لوگوں میں ایک شخص خان یار خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ جلال آباد کے متمول لوگوں میں سے تھا۔ اس نے حضرت میراں حسین زنجانیؒ اور آپ کے اہل قافلہ کی نہایت اخلاص و محبت سے تواضع کی۔

روایت ہے کہ خان یار کی ایک لڑکی آسیہ تھی جو جذام (کوڑھ) کے مرض میں مبتلا تھی۔ خان یار نے آپ سے التجا کی کہ یا حضرت دعا فرمائیں کہ خداوند تعالیٰ میری بیٹی کو اس بیماری سے نجات عطا فرمائے آپ نے فرمایا آؤ ہم سب مل کر بارگاہ شافی مطلق میں دعا کرتے ہیں۔ چنانچہ عشاء کی نماز کے بعد آپ نے دعا فرمائی اور تھوڑا سا پانی دم کر کے خان یار کو دے دیا اور فرمایا کہ جاؤ اس پانی کو دوسرے پانی میں ملا کر اپنی بیٹی کو نہلاؤ۔ چنانچہ آسیہ کے باپ نے آپ کی ہدایت پر عمل کیا۔ چنانچہ چند دن کے بعد وہ لڑکی بالکل تندرست ہو گئی۔ تمام شہر میں آپ کی

کرامت کی دھوم مچ گئی۔

خان باز خاں جو سلطان محمود کی طرف سے اس علاقے کا حاکم تھا آپ کی روحانی شہرت کے بارے ..... میں سن کر ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے شریعت اسلامیہ کے مطابق اس کے ساتھ احترام کا سلوک کیا۔ اس نے بھی سادات کے خادم ہونے کی حیثیت سے آپ کی نہایت تعظیم کی اور کچھ نذرانہ پیش کیا لیکن آپ نے قبول نہ فرماتے ہوئے واپس کر دیا۔

چند روز جلال آباد میں قیام کرنیکے بعد آپ نے قافلہ کو روانگی کا حکم دیا۔ خان باز نے آپ سے پوچھا یا حضرت کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ ہمارا ارادہ بلاد ہند میں تبلیغ اسلام کی غرض سے جانے کا ہے اس نے بھی ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کی لیکن آپ نے اسے منع فرما دیا۔

جلال آباد سے روانگی

جلال آباد سے روانہ ہونے کے بعد راستے میں کوہ سفید آتا تھا جسے عبور کرنا آسان نہ تھا کیونکہ اس کا راستہ دشوار گزار تھا۔ کوہ سفید کوہ ہندوکش کی شاخ ہے اور اس میں بکثرت جنگلات تھے۔ اس لئے اس صعوبت سے بچنے کے لئے آپ نے تین کوس کا چکر کاٹا اور ایک بستی میں پہنچے جہاں کے لوگوں

نے بتایا کہ پہلے یہ بستی ہندوستان کی حدود سلطنت میں شامل تھی لیکن کچھ عرصے سے سبکتگین نے اسے فتح کر کے اپنے علاقے میں شامل کر لیا ہے۔ اس بستی کا سردار نژاد گل تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ یہاں سے لاہور کتنی دور ہے اس نے بتایا کہ لاہور یہاں سے ابھی کافی دور ہے اس بستی سے روانہ ہونے کے بعد آپ درہ خیبر کے راستے آگے بڑھے اور پھر ایک بستی میں پہنچے اس کا نام لقمان تھا وہاں سے پشاور بیس کوس کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس مقام پر تھوڑی دیر قیام کرنے کے بعد آپ آگے چل دیئے۔

پشاور

بستی لقمان سے چلنے کے بعد آپ نے پشاور کا رخ کیا پشاور میں آپ چند روز مقیم رہے لیکن دورانِ قیام کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا۔ یہاں سے روانہ ہو کر آپ پشاور سے آگے ایک بستی میں پہنچے جس کا نام وہیند تھا۔ وہیند سے دریائے سندھ کی طرف بڑھے اور کنارے پر پہنچ کر کشتی کے ذریعے دریا کو عبور کیا سندھ کو عبور کرنے کے بعد آپ جس مقام پر پہنچے اس کا نام مارگلہ تھا۔

مارگلہ میں آپ کی کرامت

مارگلہ میں بت پرست لوگ رہتے تھے۔ ان پر ایک جادوگر بدّو نامی کا بہت اثر تھا جو اپنے جادو کے ذریعے سے اپنے منہ سے آگ نکالتا تھا جو بھی یہ دیکھتا مرعوب ہو جاتا تھا۔ بدّو خود کو گوسائیں کہلواتا تھا۔ آپ نے بت پرستوں کو دعوت اسلام دی اور انہیں توحید کی طرف بلایا ان لوگوں نے یہ شرط لگا دی کہ اگر گوسائیں مسلمان ہو جائے تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ گوسائیں کو اپنے جادو پر بہت گھمنڈ تھا جب اس نے حضرت میراں حسین زنجانیؒ کی آمد اور ان کی دعوت توحید کا حال سنا تو بڑے غرور سے کہنے لگا مجھے کون زیر کر سکتا ہے۔ میں نے کئی درویشوں کو دیکھا ہے۔ چنانچہ ایک دن گوسائیں اور اس کے ساتھ بہت سے بت پرست آپ کے پاس آئے اور گفتگو کرنے لگے آپ نے گوسائیں کو مخاطب کر کے فرمایا سنا ہے کہ تم اپنے منہ سے آگ نکال لیتے ہو ہمیں بھی ذرا اپنا کمال دکھاؤ۔ اس نے جادو کے ذریعے اپنے منہ سے آگ نکالنی شروع کر دی۔ آپ نے اللہ کا نام لے کر ایک پھونک ماری اور اس کے منہ سے آگ نکلنی بند ہو گئی۔ یہ دیکھ کر وہ آپ کے قدموں میں گر گیا اور ایمان لے آیا۔ اس کے مسلمان ہونے سے اس کے ساتھی بھی مسلمان ہو گئے

گگھڑ میں قیام

مارگلہ سے چل کر آپ گگھڑ پہنچے اور یہاں چند روز قیام کیا۔ اس زمانے میں یہ ایک چھوٹی سی بستی تھی جس میں گکھڑ قوم رہتی تھی۔ یہ وہی گگھڑ ہے جو گوجرانوالہ اور وزیرآباد کے درمیان واقع ہے اور اب ایک چھوٹے سے شہر کی حیثیت حاصل کر چکا ہے۔ یہاں کے دورانِ قیام میں کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا۔ اس کے بعد حضرت میراں حسین زنجانیؒ اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

وُرودِ لاہور

آپ کی آمد سے قبل لاہور کی سیاسی مجلسی اور مذہبی حالت

تاریخ لاہور کے مطالعے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لاہور بہت قدیم شہر ہے اس کی قدامت کے متعلق بہت سے تاریخی شواہد ملتے ہیں لیکن پختہ یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ لاہور کی بنیاد کب اور کس نے رکھی۔ الغرض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں اسے مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا رہا ہے حضرت میراں حسینؒ کی تشریف آوری کے وقت یہ "لوہور" کے نام سے مشہور تھا اس وقت لاہور کو وہ اہمیت اور شہرت حاصل نہ تھی جو بعد میں حاصل ہوئی۔

سرزمین پنجاب زمانہ قدیم سے دوسرے ملکوں سے آنے والوں اور حملہ آوروں کا نشانہ بنتی رہی ہے۔ اس وقت سرزمین پنجاب کو لاہور کی ریاست کہا جاتا تھا اس لئے اس کے شہر اور قصبے ہمیشہ آباد اور برباد

ہوتے رہے۔ اس طرح شہر لاہور بھی مسلمانوں کے دور سے قبل کئی بار آباد اور برباد ہوا۔

سیاسی حالت

آپ کی آمد سے پہلے موجودہ مغربی پاکستان قندھار اور کابل کے تمام علاقے کو اس زمانے میں گندھارا کی سلطنت کہا جاتا تھا۔ اس سلطنت میں بہت سی ریاستیں تھیں۔ ان ریاستوں میں مختلف ہندو راجپوت حکمران تھے ۳۶۷ھ وہ تاریخی سال ہے جب مشہور مسلمان حکمران امیر سبکتگین نے اپنے گھوڑے کی باگ ہندوستان کی طرف موڑی اور فتح و نصرت کو اپنی جلو میں لئے سابق پنجاب کے بعض مقامات تک یلغار کرتا ہوا آیا اور بقول مولانا ذکاء اللہ ہند کے چند قلعے ایسے فتح کئے کہ جہاں نہ اہل اسلام کے گھوڑوں کے سم نہ اونٹوں کے قدم پہنچے تھے ان قلعوں میں جابجا مساجد بنا کر اور وہ مال غنیمت لے کر جو تاخت و تاراج سے ہاتھ لگا تھا غزنی کی طرف مراجعت کر گیا [۱]

اس زمانے میں لاہور سے ملتان اور کشمیر سے پشاور تک کے علاقے پر راجہ جے پال حکمران تھا جب اس نے دیکھا کہ ایک مسلمان حکمران نے

---

[۱] تاریخ ہند جلد اول صفحہ ۲۴۵ از مولانا ذکاء اللہ

اسکے علاقے پر حملہ کر کے اس کے بہت سے قلعے اور ان کا ملحقہ علاقہ فتح کرلیا ہے تو اُسے سخت تشویش پیدا ہوئی اور اس نے اپنی ساری طاقت مجتمع کر کے ایک فیصلہ کن جنگ کا منصوبہ بنایا۔ ادھر غزنی میں امیر سبکتگین کو بھی راجہ جے پال کے ارادوں کی خبر ہو گئی اور اس نے ایک لشکر جرار کے ساتھ پشاور کی طرف کوچ کر دیا۔

لمغان کے میدان میں جو کہ کابل اور پشاور کے درمیان واقع تھا دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ فاتح سومنات محمود غزنوی بھی اس جنگ میں اپنے والد گرامی کے ہم رکاب تھا۔ طویل جنگ کے بعد راجہ جے پال نے امیر سبکتگین کی خدمت میں صلح کا پیغام بھیجا۔ امیر سبکتگین نے اس شرط پر صلح قبول کر لی کہ راجہ جے پال اپنے دربار کے چند امراء اور کچھ قریبی رشتہ داروں کو بطور یرغمال اس کے حوالے کر دے اور ہندوستان واپس جا کر تاوان جنگ کے طور پر زر و جواہر اور ہاتھی گھوڑوں کی مقررہ تعداد امیر موصوف کی خدمت میں ارسال کرے۔

اس قول و اقرار کے بعد راجہ جے پال اپنے شکست خوردہ لشکر کو لیکر دارالسلطنت بٹھنڈہ واپس آیا یہاں آکر اسکی نیت میں فتور پیدا ہو گیا۔ اور اس نے امیر سبکتگین کے ان امراء کو قید کر لیا جو اس سے تاوانِ جنگ وصول کرنے آئے تھے۔ جب امیر سبکتگین کے پاس جے پال کی طرف

نادانِ جنگ نہ پہنچا اور راجہ کی عہد شکنی کی اطلاع ہوئی تو وہ غضبناک ہو کر ہندوستان پر چڑھ آیا۔ افغانوں کی جمعیت کثیر کے ساتھ اس نے ہندستان کے .... سرحدی مقامات پر قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا اور شہر پر شہر فتح کرتا ہوا پنجاب کی طرف بڑھنے لگا۔

یہ صورت حال دیکھ کر راجہ جے پال نے ہندوستان کے بڑے بڑے راجاؤں کو لکھا کہ امیر سبکتگین بھارت ماتا کی آبرو پامال کرتا ہوا پنجاب کی طرف بڑھ رہا ہے اگر اس نے پنجاب فتح کر لیا تو آپ لوگوں کی آزادی بھی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ اس لئے اپنے اس مشترک دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے زیادہ سے زیادہ فوجیں اور سامان رسد میری امداد کیلئے بھجوایئے۔

ہندوستان کے تمام بڑے بڑے راجہ جو امیر سبکتگین کی یلغار اور راجہ جے پال کی شکست کی خبر سن کر پہلے ہی گھبرائے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کے دشمن ہونیکے باوجود جے پال کی امداد کے لئے کمربستہ ہو گئے اور دلی، اجمیر، کالپی اور قنوج کے راجاؤں نے اپنی ٹڈی دل فوجیں سامان رسد کے ساتھ پنجاب کی طرف روانہ کر دیں۔ اس طرح ایک لاکھ سواروں کا لشکر جے پال کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا۔

اس لشکر عظیم کو لے کر راجہ جے پال امیر سبکتگین کے مقابلے کے لئے نکلا جب یہ دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو امیر سبکتگین نے ایک

پہاڑی پر چڑھ کر دشمن کی فوجوں پر نظر ڈالی۔ دیکھا کہ حدِ نگاہ تک انسانی سروں کا سمندر موجزن ہے پھر اپنی فوجوں کو دیکھا تو چند ہزار افغانوں کے سوا نہ اور کچھ نہ تھا مگر یہ منظر دیکھ کر اس کی قوت ایمانی میں کمی نہ آئی۔ اس نے ٹڈی دل لشکر کو بھیڑیں اور بکریاں اور خود کو قصاب سمجھا۔ اپنی فوج کے سرداروں کو جمع کر کے اس نے ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس نے اس کی فوج کے دل بڑھا دیئے اور وہ سب مارنے مرنے کو تیار ہو گئے۔

امیر سبکتگین صاحب ہمت ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب تدبیر بھی تھا چنانچہ اس نے پانچ پانچ سو سواروں کا ایک ایک دستہ مرتب کر کے ایک ایک آزمودہ کار افغان سردار کو اس کا سپہ سالار بنایا اور حکم دیا کہ یہ سارے دستے یک دم دشمن پر حملہ نہ کریں بلکہ ایک دستہ حملہ کرے اور باقی دستے حملے کا انتظار کریں۔ اسی طرح امیر سبکتگین کی فوجوں نے راجہ جے پال کی فوجوں کو تھکا تھکا کر ان کا ناک میں دم کر دیا۔ ایک دستہ جے پال کی فوج پر حملہ کرتا جب وہ ہٹتا تو جے پال کی فوجیں سمجھتیں کہ افغان ہمت ہار گئے کہ اتنے میں دوسرا دستہ نمودار ہو جاتا جب وہ تھک جاتا تو تیسرا دستہ اسکی جگہ پر آجاتا۔

چند روز کی جنگ کے بعد جب جے پال کی فوجوں میں کمزوری کے آثار پیدا ہونے لگے تو امیر سبکتگین نے اپنے لشکر کو حملہ عام کا حکم دیا اس اچانک اور پُرزور حملے سے ہندو فوجوں کے پیر اکھڑ گئے اور بے اوسان ہو کر

میدان جنگ سے بھاگ نکلے امیر سبکتگین کی فوجوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر کر مولی گاجر کی طرح کاٹنا شروع کر دیا اور افغان مغرور فوج کا تعاقب کرتے ہوئے دریائے اٹک کو عبور کر کے آگے بڑھ آئے اور آگے بڑھ کر پنجاب کے بہت سے حصے پر قبضہ کر لیا۔

اس وقت سے مسلمانوں کے قدم اس خطہ پنجاب میں جمنا شروع ہو گئے۔ اگرچہ سبکتگین کے حملوں کے بعد اس علاقے کی حکومت کچھ عرصہ تک ہندوؤں کے ہاتھوں میں ہی رہی لیکن مسلمان مبلغین کی آمد کا سلسلہ سنہ ۳۸۰ھ کے لگ بھگ شروع ہو گیا۔

مجلسی حالت

آپ کی آمد کے وقت لاہور میں آرائیں اور راجپوت قوموں کی غالب اکثریت آباد تھی۔ یہ سب بت پرست لوگ تھے۔ ان کے علاوہ کچھ اور اقوام بھی آباد تھیں مگر ان کی تعداد نہایت قلیل تھی ــــ ذات کی تفریق نے ان اقوام کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا تھا۔ ہر قوم کے لوگ اپنی ذات کے مطابق پیشہ اختیار کرنے پر مجبور تھے۔ اعلیٰ ذات کے لوگ نہایت مغرور ہوتے ہوئے بھی علم حاصل کرنا اپنا پیدائشی حق سمجھتے تھے اور نیچی ذات کے لوگ ذہین اور صاحب دماغ ہوتے ہوئے بھی حصول علم کے

ترتیب نہ جا سکتے تھے اس طرح ان کی ساری صلاحیتیں ضائع ہو جاتیں

لاہور کے وسطی حصے میں زیادہ تر برہمن اور راجپوت سپاہی آباد تھے ان کے علاوہ اہل علم و فن پیشہ ور اور تاجر لوگ جیسے زرگر، آہن گر، مستری، تیر گر، عطار، طبیب، منجم، عنبر فروش، قاضی، ہندسی، نجومی، شاعر، فلسفی اور فال گیر بھی رہتے تھے۔ وسطی لاہور کے علاوہ شہر کے باقی علاقے میں زیادہ تر آرائیں اور کسان تھے بعض محلوں میں قصاب زنگریز، چاہ کن، سقے، باغبان، خباز، صیاد اور کبوتر باز وغیرہ رہتے تھے۔

لاہور کے اردگرد زیادہ تر زمینیں ہندو آرائیوں کی تھیں جو مزارعین سے کھیتی باڑی اور باغبانی وغیرہ کرواتے تھے اور خود کو راجپوتوں کا ہم پلہ تصور کرتے تھے۔

مذہبی حالت

آپ کی آمد سے پہلے لاہور میں ہندو دھرم عروج پر تھا، شہر مندروں سے بھرا پڑا تھا۔ ہر مندر ایک پروہت کی جاگیر تھا جس کے ساتھ وسیع زمین اور دوسری املاک تھی۔ ان مندروں میں پجاری رنگ رلیاں مناتے تھے اور مذہب کے نام پر ہر قسم کی بے حیائی روا تھی۔ ہر مندر میں الگ بتوں کی

پوجا ہوتی تھی۔ پجاری سادہ لوح عوام کی جیبیں خالی کرنے اور خود گلچھرے اڑاتے تھے۔

لوگوں کی اخلاقی حالت نہایت خراب تھی۔ شراب، زنا، جوا اور دوسری برائیاں عام تھیں۔ عورتوں میں ستی کی رسم عام تھی اور اصنام پرستی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔

آداب الحربین میں ہے کہ راجہ جسرت نے اپنے زمانے میں سورج دیوتا کا مندر (راوی) بنوایا تھا۔ یہ بڑا مشہور اور قابل دید مندر تھا اس میں سورج کی پرستش کی جاتی تھی۔

حضرت میراں حسینؒ کی لاہور میں آمد

یہ تھے لاہور کے وہ مذہبی اور سیاسی حالات جب حضرت میراں حسین زنجانیؒ تبلیغ حق کے لئے یہاں تشریف لائے۔

گکھڑ سے آپ نے سیدھا لاہور کا رخ کیا اور چند روز کے بعد مع قافلہ دریائے راوی کے مغربی کنارے پر پہنچ گئے۔ شام کا وقت تھا۔ دریا بھی کچھ طغیانی پر تھا۔ اس لئے آپ نے دریا کے کنارے پر ایک بڑ کے درخت کے نیچے ڈیرہ لگایا اور ایک شب وہاں گزاری۔ صبح بوقت چاشت بذریعہ کشتی دریا کو عبور کیا اور شہر کی شمال مشرقی جانب میں پہنچ گئے

میری تحقیق کے مطابق آپ ۳۸۷ھ بمطابق ۹۹۷ء میں لاہور تشریف لائے[1]

لاہور میں آمد کے سن کا تاریخی

حضرت میراں حسین زنجانی کی لاہور میں آمد کے متعلق مختلف مورخوں نے اپنی اپنی کتابوں میں مختلف رائیں ظاہر کی ہیں۔

تحقیقات چشتی کے مؤلف مولوی نور احمد چشتی لکھتے ہیں کہ آپ سید یعقوب زنجانی کے ہمراہ لاہور تشریف لائے اور حضرت یعقوب زنجانی کے متعلق لکھا ہے کہ ۵۳۵ھ میں بعہد بہرام شاہ غزنی سے لاہور تشریف لائے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۲۳۸ پر لکھتے ہیں کہ حضرت یعقوب صدر دیوان زنجانیؒ نے ۵۵۷ھ میں لاہور میں نزول فرمایا۔ اسی کتاب میں ایک اور جگہ پر لکھا ہے کہ جب حضرت علی ہجویریؒ ۴۳۱ھ میں لاہور تشریف لائے تو ان کے آنے سے ایک دن قبل حضرت میراں حسین زنجانیؒ انتقال کر چکے تھے۔ پھر ایک اور جگہ پر حضرت میراں حسین زنجانیؒ کی تاریخ وفات ۴۰۰ھ لکھی ہے یعنی ایک طرف تو ان کی آمد کا سنہ ۵۳۵ھ اور ۵۵۷ھ بتاتے ہیں اور دوسری طرف اس سے بھی زیادہ دلچسپ غلطی یہ کرتے ہیں کہ ان کی وفات کا سنہ ۴۳۱ھ اور سنہ ۴۰۰ھ قرار دیتے ہیں۔ اس لئے

---

[1] ملفوظات قاسمیہ از سید محمد قاسم زنجانی۔ سفینۃ الاخبار از سید محمد مجدھا زنجانی

میرے خیال کے مطابق تحقیقات چشتی کے مؤلف کے ان متضاد بیانات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

مصنف رائے کنہیا لال جس نے ۱۸۸۴ء میں تاریخ لاہور کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ اس معاملے میں تحقیقات چشتی کے مؤلف سے بھی دو قدم آگے چلتا ہے وہ لکھتا ہے کہ شاہ حسین زنجانیؒ سلاطین غوریہ کے زمانے میں لاہور آئے اور یہ زمانہ غزنوی خاندان کے آخری بادشاہ خسرو ملک کی گرفتاری ۵۸۲ھ سے شروع ہوتا ہے لیکن کنہیا لال کی تاریخ لاہور حضرت میراں حسینؒ کی آمد کا قطعی سنہ بتانے سے قاصر ہے۔ صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ آپ سلاطین غوریہ کے زمانے میں لاہور آئے اور ظاہر ہے کہ اس دعوے میں نہ معقولیت اور نہ کوئی وزن ہے اس لئے تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

مفتی غلام سرور بھی لاہور کے ایک قابل مصنف اور شاعر گزرے ہیں۔ انہوں نے بھی آپ کی لاہور میں آمد کا سنہ نہیں لکھا لیکن اتنا ضرور ہے کہ شاہ حسین زنجانیؒ اور سید یعقوبؒ زنجانی لاہور میں اکٹھے تشریف لائے اور انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ کی آمد اور شاہ حسین زنجانیؒ کی وفات کا سنہ ایک ہی ہے۔ اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت داتا گنج بخش سے پہلے لاہور آئے

تھے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کی آمد کا صحیح سنہ کیا ہے ۔

مستند اور صحیح سنہ

جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے اتنی بات تو ہر مورخ تسلیم کرتا ہے کہ ۳۶۷ھ میں امیر سبکتگین پنجاب پر حملہ آور ہوا اور یہاں کے راجہ کو باجگزار بنا کر واپس چلا گیا۔ اس وقت سے اس صوبہ میں مسلمانوں کے قدم جمنا شروع ہو گئے اور کچھ عرصہ راجہ سبکتگین کو خراج دیتا رہا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب مورخین کے بقول ہندوستان میں مسلمان مبلغین کی آمد کا سلسلہ ۳۸۰ھ کے لگ بھگ شروع ہو گیا تھا لیکن میں نے جن قلمی کتب یعنی ملفوظات قاسمیہ و سفینۃ الاخبار سے استفادہ حاصل کیا ہے اس میں آپ کی آمد کا سنہ ۳۸۷ھ بمطابق ۹۹۷ء لکھا ہے ثمرات القدس میں بھی یہی سنہ درج ہے جو میری رائے میں بالکل صحیح ہے۔ نقادہ اگرچہ اس کو بھی نشانۂ تنقید بنانے سے باز نہیں رہے لیکن میرے خیال کے مطابق اس پر تنقید کا جواز نہیں نکلتا ۔

لاہور میں قیام

لاہور پہنچنے کے بعد آپ نے بذریعہ کشف اپنے مرشد سے عرض کی کہ یا

حضرت میں لاہور خیر و عافیت پہنچ گیا ہوں اب میرے لئے کیا حکم ہے مرشد نے فرمایا کہ بیٹا بس یہی تمہاری منزل تھی چنانچہ آپ نے آگے جانے کی بجائے لاہور ہی میں قیام کیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے مشن کی تکمیل کے لئے اپنے چھوٹے بھائی اور ان کے اہل و عیال کو حکم دیا کہ وہ شہر کے جنوبی حصے میں قیام پذیر ہوں اور شہر کے اس حصے میں تبلیغ کریں۔ چنانچہ آپ کے بھائی ؒ نے آپ کے حکم کی تکمیل کی اور شہر کے جنوبی حصے میں جہاں آج کل شاہ عالمی مارکیٹ ہے ایک مقام کو اپنے قیام کیلئے منتخب فرمالیا۔

آپ نے اپنے دوسرے بھائی حضرت موسیٰ زنجانی ؒ کو شہر کی شمال مشرقی جانب میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا۔

حضرت میراں حسین زنجانی ؒ نے اپنے لئے لاہور شہر کے مشرقی حصے کو مخصوص کیا اور آبادی سے تقریباً ایک کوس دور پُر سکون فضا اور ساحل دریا کی خلوت کو پسند فرمایا۔ یہ وہی مقام ہے جسے آپ کے اسم مبارک کی نسبت سے "چاہ میراں" کہتے ہیں۔ چونکہ آپ خلوت کو بہت زیادہ پسند فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے شہر کی پُر شور آبادی سے دور جنگل کے پرسکون ماحول میں قیام کیا۔ اس زمانے میں یہ مقام غیر آباد اور قدرتی مناظر سے بھرپور تھا۔

دعوتِ حق

تبلیغ اسلام

آپ جس مقصد کو سرانجام دینے کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ کر سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے بلادِ ہند میں آئے تھے ، اسکو پورا کرنے کیلئے آپ نے تبلیغ اسلام کا آغاز فرمایا ۔ ان دنوں میں لاہور کے لوگوں کی اکثریت ہندو دھرم کے پیروکاروں پر مشتمل تھی یہ لوگ سورج دیوتا کے مندر میں اپنی مذہبی رسومات کو ادا کرتے تھے اور وہاں پر اپنے عقیدہ کے مطابق دیوتا کے بت کی پوجا کرتے تھے ۔ اس وقت اس علاقے میں ہر طرف ضلالت و گمراہی کی گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی ۔ وہ دل جن میں سومنات بن چکے تھے انہیں نور ایمانی سے روشن کرنے اور بے شمار دیوتاؤں کے پرستاروں کو خدائے واحد کا پرستار بنا لینے کے لئے مسلسل جد و جہد اور صبر و استقلال سے تبلیغ کرنے کی ضرورت تھی چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت میراں حسین زنجانی ؒ نے یہ مقدس فریضہ

نہایت ثباتِ قدم اور عمل پیہم سے سر انجام دیا۔

تین سال تک آپ روزانہ شہر کی گلی گلی کوچے کوچے میں جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ آپ جہاں موقع پاتے چند لوگوں کو اکٹھا کر کے اسلام کے بنیادی عقیدے یعنی توحید پر روشنی ڈالتے اور مذہب اسلام کی خوبیاں بیان کرنے کے بعد لوگوں کو دینِ حق قبول کرنے کی تلقین فرماتے۔ بت پرستوں اور خاص طور پر انکے اکابرین نے حضرت میراں حسین کی تبلیغ کے پر جوش انداز اور مدلل طرز بیان کو اپنے جھوٹے مذہب کیلئے زبردست خطرہ محسوس کیا۔ اور آپ کی شدید مخالفت شروع کر دی۔ چنانچہ جب وہ آپ کو دین اسلام کی تبلیغ کرتے دیکھتے تو آپ پر آوازے کسنا شروع کر دیتے اور لوگوں سے کہتے کہ اس درویش نے کیا نیا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ یہاں تک بعض اوقات آپ کے پیچھے بازاری لونڈے لگا دیئے جاتے جو تالیاں بجا بجا کر آپکا مذاق اڑاتے

تین سال تک آپ نے اس طرح تکالیف برداشت کرتے ہوئے دین اسلام کی تبلیغ کی لیکن اس عرصہ میں کوئی بھی غیر مسلم اسلام میں داخل نہ ہوا۔ چنانچہ تین سال کے بعد آپ نے ایک دن بذریعہ کشف اپنے مرشد سے دریافت کیا کہ یا حضرت اب دعوتِ اسلام کیلئے کیا طریقہ اختیار کروں۔ آپ کے مرشد نے فرمایا کہ "اے حسین جاؤ ہم نے تمہارے صبر کو آزما لیا ہے۔ اب سوائے جمعہ کے دن کے اپنی قیام گاہ پر ہی رہا کرو۔ مرشد سے تبلیغ کے متعلق نیا حکم پا کر

حضرت میراں حسینؒ نے اس کی تعمیل شروع کر دی۔ آپ نے لاہور میں ۴۴ سال دین اسلام کی خدمت سر انجام دی۔ پہلے تین سال کے علاوہ آپ نے باقی ۴۱ سال کی مدت سوائے جمعہ کے روز کے اپنی جائے قیام پر ہی گزاری۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ صرف جمعہ کے روز شہر جا کر تبلیغ کرتے۔ اور یہ سلسلہ آپ نے آخری دم تک جاری رکھا۔ اس طرح شروع میں آپکی کوششوں سے چند لوگ اسلام کے بنیادی اصولوں سے واقف ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے

روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے جمعۃ المبارک کے دن شہر میں تبلیغ کرنے کے بعد چند ہندو بیماروں کو پانی دم کر کے دیا جس سے وہ لوگ شفایاب ہو گئے اس واقعہ نے لوگوں کو بہت متاثر کیا اور شہر میں آپ کی روحانیت کا چرچا ہونے لگا۔

اسکے بعد جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ صاحب فیض و کمال بزرگ ہیں تو لوگ شہر سے آپ کی قیام گاہ پر آتے اور آپ کے فیض سے مستفید ہوتے یہ سلسلہ آپ کے آخری دم تک جاری رہا۔

تین سال تک آپ پانی کی ضرورت کو دریا سے پورا کرتے رہے اسکے بعد جب آپ کی جائے قیام پر معتقدین آنے شروع ہو گئے تو اس وقت پانی کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر آپ نے اور آپ کے چند عقیدتمندوں نے ایک کنواں کھودا۔ اس کنویں کا پانی کھاری تھا۔ آپ نے بارگاہ ربُ العزت

بس دعا کی تو خدا کی رحمت سے اس کنوئیں کا پانی عام پانی کی طرح میٹھا ہو گیا۔ وہ کنواں آج تک "میراں دی کھوئی" کے نام سے مشہور اور موجود ہے۔

آپ نے اپنے قیام کیلئے جو جگہ منتخب فرمائی وہاں کافی عرصہ رہنے کے بعد کچھ فاصلے پر یادِ خدا کے لئے ایک جگہ مخصوص کر لی تھی اور اس مقام پر آپ نے چند درخت لگائے تھے اس باغ میں اکثر آپ حالتِ استغراق میں رہتے تھے وفات کے بعد اسی باغ میں آپ کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ یہی باغ بعد میں باغ زنجان کے نام سے مشہور ہوا۔

آپ نے بذریعہ کشف اپنے مرشد ابوالفضلؒ سے دریافت کیا کہ یا حضرت کیا میں راجہ اننگ پال اور سہج پال کو دین اسلام کی دعوت دوں۔ آپ کے مرشد نے ارشاد فرمایا کہ بیٹا خاموشی اختیار کرو چنانچہ آپ نے دعوت نہ دی کیونکہ فتنے کا خطرہ لاحق تھا اور آپ درویشانہ اوصاف کے شیخ تھے۔

تاریخیں اس باب میں خاموش ہیں کہ آپ کی تبلیغی مساعی کے کیا نتائج نکلے لیکن بعض روایات سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قیام لاہور کے زمانے میں علم و عرفان کا جو دریا بہایا اور تبلیغ اسلام کے سلسلے میں جو مساعی جمیلہ سرانجام دیں وہ رائیگاں نہیں گئیں آپ کی دعوت حق سے متاثر ہو کر بہت سے لوگوں نے دین اسلام قبول کر لیا اور جن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا ان میں سے بھی بہت سے لوگ ایسے تھے جو اسلام سے

متاثر ہوئے۔ اس طرح آپ کے بعد آنے والے بزرگوں کیلئے راستہ صاف اور فضا ہموار ہو گئی۔ بعض تاریخوں میں آتا ہے کہ سبکتگین کی واپسی کے کچھ عرصہ بعد لاہور پر ایک ہندو راجہ نے حملہ کیا اور صرف شہر کے ایک علاقے میں تقریباً دو ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ ظاہر ہے کہ یہ وہی مسلمان تھے جو حضرت میراں حسین زنجانیؒ ان کے ساتھیوں بھائیوں اور حضرت شاہ اسماعیل بخاری کی کوششوں سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

معمولات و عبادت

آپ بڑی سادگی سے رہتے تھے۔ درویشانہ لباس پہنتے تھے جو اپنے پیر و مرشد کے لباس سے بہت مشابہ ہوتا تھا۔ پائے مبارک میں سادہ قسم کا جوتا پہنتے تھے ہاتھ میں عصا رکھتے تھے۔

آپ کی خوراک بہت کم اور سادہ ہوتی تھی اکثر اوقات فاقہ بھی کیا کرتے تھے۔ حضرت کو خوشبو بہت پسند تھی طبعاً بو سے سخت متنفر تھے ہر روز غسل فرماتے اور خوشبو لگا کر عبادت میں مشغول ہو جاتے۔

حضرت میراں حسین زنجانیؒ کی عبادات اور عادات و اطوار بلکہ ہر فعل عین نبی پاکؐ کی سنت کے مطابق ہوتا۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ عام طور پر اول شب میں کسی قدر سو لیتے پھر اٹھ کر عبادت الٰہی میں مشغول ہو جاتے اور بعض

راتیں شب بیداری میں بھی گزارتے تھے۔ غرض آپ کی راتیں ذکر و فکر اور دن تبلیغ حق اور رشد و ہدایت میں گزرتے تھے۔

آپ شب کے آخری پہر میں نماز تہجد ادا کرتے تھے اور اس کے بعد صبح کی نماز تک مراقبہ فرماتے۔ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد نماز اشراق تک ورد و ظائف میں مشغول رہتے۔ نماز اشراق کے بعد کھانا تناول فرماتے اور نماز ظہر تک دین اسلام کے دوسرے ضروری کاموں اور تبلیغ اسلام میں مشغول رہتے تھے۔ ظہر کی نماز سے عصر کی نماز تک تلاوت قرآن پاک کرتے۔ عصر کے بعد شام کے وقت عصا مبارک ہاتھ میں لے کر دریا کے کنارے چہل قدمی کیلئے جاتے اور مظاہر فطرت کی جلوہ سامانیوں سے لطف اندوز ہوتے۔

آپ خداوند قدوس کی تجلیات اور مشاہدہ کی لذت میں اس قدر مستغرق ہوتے کہ دنیاوی تکالیف کا احساس بھی نہ ہوتا تھا۔

حضرت میراں حسینؒ کا نظریۂ فقر

حضرت میراں حسین زنجانیؒ ان بزرگوں میں تھے جنہوں نے دنیوی دولت کو ٹھکرا کر فقر کی دولت کو سینے سے لگایا تھا آپ ان صوفیائے اکرام میں سے تھے جو فقر کا نام صرف زبان سے نہیں لیتے بلکہ خود اس کا عملی نمونہ بن کر دکھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ساری زندگی فقر و فاقہ میں گزار دی اور دوسروں کو بھی

فقر کا درس دیا لیکن فقر کے متعلق آپ کا نظریہ عام صوفیائے کرام اور درویشوں سے مختلف ہے آپ تنہا فقر کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ علم کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ "بے علم فقیر کا فقر بے کار ہے"
ایک اور موقع پر فرماتے ہیں کہ "اصل درویش وہ ہے جو فقر صادق کا مالک ہو اور اپنی استطاعت کے مطابق لوگوں کی حاجت روائی کرے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں فقر کے متعلق تھوڑی سی وضاحت کر دی جائے کیونکہ عام طور پر لوگ اس سے طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اسے فاقہ کشی یا گداگری کا مترادف سمجھ لیتے ہیں۔

فقر صادق یا سچے فقر کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو کسی قسم کا دنیاوی طمع نہ ہو اور حرص و ہوس سے آزاد ہو کر اللہ سے لو لگائے رکھے اسکو کامیابی ہو یا ناکامی۔ کمال حاصل ہو یا زوال، اس راہ میں گمنامی بھی ہو تو بھی اس میں پستی یا سرکشی کا جذبہ پیدا نہ ہو۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فقیر یا درویش لوگ مفلس اور نادار ہونے کی وجہ سے درویشی کو اختیار کرتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ غریب ہی فقر صادق کو اختیار کرے۔ ایک باثروت شخص یا ایک بادشاہ بھی فقر حقیقی کو حاصل کر سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی دولت محض اللہ کے لئے وقف ہو جیسے حضرت عثمان رضی یا حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی

کہ کثیر دولت کے مالک تھے مگر ان کی دولت اسلام کی سربلندی اور غربا کی حاجت روائی میں صرف ہوتی تھی یہ دولت ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان دیوار بن کر حائل نہیں ہوئی تھی بلکہ انکے اور خداوند تعالیٰ کے درمیان وسیلہ بن جاتی تھی

مختلف فقہاء اکرام نے فقیر صادق کے متعلق اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ذیل میں بعض بزرگوں کے اقوال درج ہیں۔

حضرت رویم بن محمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ فقر کی تعریف یہ ہے کہ فقیر کا باطن اغراض نفسانی سے اور اس کا بدن آفت سے محفوظ ہو اور جو احکام اس پر فرض ہیں برابر ادا ہوتے رہیں۔

حضرت بشر حافیؒ فرماتے ہیں کہ سب سے افضل مقام فقر پر قبر تک صبر کا اعتقاد کرنا ہے ——— حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں فقیر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز سے بھی غنی نہیں ہوتا ——— حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ چیز کے نہ ہونے کی صورت میں خاموش رہے اور ہونے کی صورت میں اس کو خرچ کر دے ———

شیخ المشائخ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ "فقیر دل کا ماسوائے اللہ کی صورتوں سے خالی ہونا ہے" ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ "اے گروہ فقرا! لوگ تمہیں اللہ کے واسطے سے پہچانتے ہیں اور اللہ ہی کے لئے تمہاری عزت کرتے ہیں پس دھیان رکھو کہ اللہ کے ساتھ خلوت میں تم کیسے ہو؟"

گرچہ حضرت میراں حسین زنجانیؒ کے مفصل حالات نہیں ملے لیکن جتنے بھی درج کیے گئے ہیں ان پر نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس فقرِ صادق کو حاصل کیا جس پر سطورِ بالا میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ آپ زنجان کے ایک کھاتے پیتے معزز گھرانے کے چشم و چراغ تھے لیکن بچپن ہی سے دینی علوم کو سیکھنے کا شوق ہونے کی وجہ سے آپ عین جوانی کے عالم میں جب آپکی عمر ۲۴ سال کی تھی گھر بار چھوڑ کر تحصیل علم کیلئے نکلے۔ اپنے والد گرامی کے ساتھ صعوبت سفر اختیار کر کے مرشد کامل کی تلاش کی۔ پھر بھی پچیس (۲۵) سال جو زندگی کا ایک خاصہ بڑا حصہ ہے خدمتِ مرشد اور مجاہدات میں گزار دیا۔ جب اپنے وطن مالوف سے بلادِ ہند کا سفر اختیار کیا تو راستے میں جگہ جگہ اتنی تکالیف اٹھاتے ہوئے بھی اپنے مقصد کی انجام دہی کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔

آپ جب لاہور میں تشریف لائے تو یہاں ہر طرف کفر و شرک کے نقارے بج رہے تھے بت پرستی اپنے عروج پر تھی۔ ان حالات میں آپ کو بیحد تکالیف برداشت کرنی پڑیں۔ آپ نے تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر تبلیغ کا آغاز فرمایا۔ تین سال کی مسلسل محنت کے بعد بھی آپ کے ہاتھ پر مایوسی کی معمولی سی شکن بھی نہ پڑی اور اسلام کی خدمت کیلئے جہادِ مسلسل میں مصروف رہے جب تھوڑے سے عرصے کے بعد کفر و شرک کے

نقاروں کو دیمک بلگنی شروع ہو گئی اور لوگ آہستہ آہستہ آپکی تبلیغ کی بدولت اسلام کی تعلیم سے روشناس ہونا شروع ہو گئے تو آخر ایک وقت ایسا آیا کہ محمود غزنوی جیسے بادشاہ بھی آپکے فیض عام سے مستفید ہوئے اگر آپ چاہتے تو بڑے سے بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کر سکتے تھے۔ دولت کے انبار ایک اشارہ چشم سے آپ کے قدموں میں لگ سکتے تھے لیکن آپ کے فقر کی یہ شان تھی کہ بارہا زنجان میں کئی کئی دن تک کچھ کھائے پیئے بغیر بوریئے پر بیٹھے رہتے تھے۔ اپنے اسی مسلک کی وجہ سے انتہائی تنگی اور عسرت کے باوجود آپ نے محمود سے جاگیر قبول نہ کی۔ گویا آپ نے فقر صادق کے متعلق جو ارشاد فرمایا اس پہ خود بھی عمل کر کے دکھا دیا۔

فیوض و برکات

صوفیا نے عالم روحانی کو عالم ظاہر سے تشبیہ دی ہے یعنی جس طرح اس کائنات کا ایک نظام ہے اسی طرح روحانی عالم بھی ایک نظام کے تحت چل رہا ہے البتہ ان دونوں کے مراتب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس کائنات کی ہر شئے فیض رسانی میں مصروف ہے۔ سورج چاند ستارے ہوا پانی زمین اور اس کی جملہ اشیاء کسی نہ کسی رنگ میں انسان کو فیض رسانی میں معروف ہیں۔ امیر غریب کو، ماں اولاد کو، شوہر بیوی کو، حاکم محکوم کو حتیٰ کہ ہر شخص کسی نہ کسی

صورت میں اپنے پڑوسی کے لئے بھی منبع فیض بنا ہوا ہے اور اگر کوئی شخص اس صفت سے محروم ہے تو وہ نہ صرف انسانیت کے درجے سے گرا ہوا ہے بلکہ بہائم سے بھی فروتر ہے جب عالم مادی میں فیض رسانی کا سلسلہ جاری ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ عالم روحانی میں جو اس ظاہری عالم سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے فیض رسانی کا سلسلہ جاری نہ ہو۔

"تاریخ مذاہب عالم اس کی شاہد ہے کہ ہر دور میں اولیائے اکرام سے وابستہ رہنے والے ان کے فیوض و برکات سے خوب متمتع ہوئے۔

حضرت میراں حسینؒ بھی اللہ تعالیٰ کے مقربین خاص میں سے تھے اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ کا روحانی فیض جاری نہ ہوتا اور آپ کے آستانے پر آنے والے محروم جاتے چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فیض عام جاری تھا جو بھی حضرت کے پاس اپنی مشکل کشائی کیلئے آتا وہ خدا کے فضل وکرم سے کبھی بھی مایوس واپس نہ لوٹتا جب کوئی بیمار شفا یابی کیلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ اسکو پانی دم کر دیتے یا کوئی نہ کوئی ایسا ورد بتا دیتے جس سے وہ شفا یاب ہو کر آپ کا معتقد ہوتا کثیر تعداد میں ہندو اسی طرح آپ کے معتقد ہو کر مسلمان ہوئے۔

یہاں تک کہ جب سلطان محمود کو کوئی مشکل پیش آتی تو وہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ بارگاہ الہٰی میں اسکے حق میں دعا فرماتے اور اسکی

مشکل حل ہو جاتی چنانچہ کانگڑہ کے حملے میں محمود کو آپ ہی کی دعا سے فتح نصیب ہوئی جس سے وہ آپ کا اور زیادہ عقیدت مند بن گیا حضرت نے اسکی طرف سے کوئی نذرو غیرہ قبول نہ فرمائی۔ یہاں تک کہ ایکدفعہ اس نے ایک جاگیر آپ کی نذر کی لیکن چونکہ آپ کو مال ومتاع کی طرف کوئی رغبت نہ تھی اسلئے جاگیر کے نذرلینے کو ٹھکرا دیا۔ اگر آپ شاہانہ زندگی بسر کرنا چاہتے تو آپکے والدین کے ہاں کسی چیز کی کمی نہ تھی لیکن آپنے صرف فقروفاقہ کو ترجیح دی۔

آپکے فیض عام کے متعلق صاحب ملفوظات واسیہ نے لکھا ہے کہ حضرت میراں حسین زنجانی کا فیض اتنا عام تھا کہ جو بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا مایوس واپس نہ لوٹتا چنانچہ روایت ہے کہ اس زمانے میں لاہور میں ایک ہندو رام چندر نامی رہتا تھا جو امیر کبیر بہت سے عالی شان مکانات اور زمین کا مالک تھا لیکن وہ جذام (کوڑھ) کی بیماری میں مبتلا تھا۔ اس بیماری کی وجہ سے وہ زندگی سے بیزار ہو چکا تھا اور اس کا یہ حال ہو چکا تھا کہ کپڑے بھی نہیں پہن سکتا تھا۔ جب اس نے آپکی روحانیت کا چرچا سنا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا حضرت میری حالت زار آپکے سامنے ہے مجھے اس عذاب سے نجات دلانے کیلئے کچھ کیجئے۔ آپ نے دیکھا کہ اس کے جسم سے بدبو آرہی تھی اور پیپ بہہ رہی تھی چنانچہ آپ نے اسی وقت تھوڑا سا پانی اسے دم کر کے دیا جسے وہ عام پانی میں ملا کر ہر روز نہاتا اور آپ کی خدمت میں

حاضر ہوتا رہتا۔ اس پانی کی تاثیر اور آپ کی دعا کے اثر سے صرف دس یوم میں تندرست ہوگیا۔ آپ کی کرامت کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ صحتیاب ہونے ہی حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔

غرض آپ نے لاہور میں چالیس سال تک خلق خدا کو روحانی فیض پہنچایا اور آج بھی اگر کوئی صدق دل سے آپ کے مزار اقدس پہ حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو یہ دعا رائیگاں نہیں جائے گی۔ اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آپ کے فیض روحانی کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ مناسب ہوگا کہ اس موقع پر آپ کی ایک پیش گوئی بھی درج کر دی جائے جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ اس سے آپ کی روشن ضمیری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک بار حضرت میراں حسین زنجانیؒ نے فرمایا کہ ہمارے بعد زنجان میں ایک شیخ پیدا ہوں گے جو صاحب کشف و کرامت اور بلند پایہ ولی ہوں گے۔ ان کے والد کا نام بھی علی ہوگا۔ ولایت میں اعلیٰ مقام رکھتے ہونگے ان کا نام سعد بن علی زنجانی ہوگا۔

یہ پیش گوئی بڑی شان سے پوری ہوئی۔ حافظ الحدیث سعد بن علی ۳۸۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۷۱ھ میں فوت ہوئے۔ ولایت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔

حضرت ابوالمظفر فرماتے ہیں کہ میں نے پختہ ارادہ فرمایا کہ میں مکہ مکرمہ سے حج

کرنے کے بعد سلطان المشائخ حضرت سعد زنجانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔
روایت ہے کہ رات کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپکی والدہ ننگا سر کھڑے آپکو
پکار رہی ہیں کہ میرے بیٹے میرے پاس اپنے وطن مرو (ایران) میں جلدی پہنچو میں
تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔ خواب سے بیدار ہو کر حضرت ابو المظفر حیران
ہو گئے اور سعد بن علی زنجانیؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے روانہ ہو گئے حضرت
سعد بن علی کے پاس عقیدتمندوں کا ہجوم تھا۔ مجلس ختم ہوئی تو آپ کو سعد بن
علی کا قرب حاصل ہوا حضرت سعدؒ نے فرمایا کہ ابو المظفر فوراً اپنے وطن
واپس جاؤ تمہاری والدہ تمہیں پکار رہی ہیں،

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت میراں حسینؒ کا روحانی مقام کتنا بلند تھا اور
انہوں نے جس بزرگ کی پیدائش کی بشارت دی تھی وہ کیسا صاف باطن اور
صاحب کشف بزرگ تھا۔

ارشاداتِ عالیہ

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ روحانیت کا ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ تذکرہ
نویسوں نے بزرگانِ دین کی کرامات قلمبند کرنے کی طرف تو خاص بلکہ ضرورت
سے بھی زیادہ توجہ دی مگر ان کی عملی زندگی اور ان کی تعلیمات کی طرف خاطر
خواہ توجہ نہ دی۔ ظاہر ہے کہ اس سے آنے والی نسلوں کو بہت نقصان پہنچا

یہی حادثہ حضرت میراں حسینؒ کے ساتھ پیش آیا۔ ان کے تذکرہ نویسوں نے بھی ان کے افکار و نظریات کو محفوظ نہیں کیا البتہ ان کے بعض اقوال ضرور محفوظ ہو گئے جن سے حضرت موصوف کے نظریات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ گو یہ کافی نہیں مگر جو کچھ ہاں ہمارے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ذیل میں آپ کے اقوال[1] درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ ایمان کی بنیاد دل کی تصدیق زبان کا اقرار تن کا عمل اور سنت کی متابعت ہے ایسا ایمان محکم اور محفوظ ہوتا ہے۔

۲۔ دنیا ایک دریا ہے اس دریا کا کنارہ آخرت ہے اور تقویٰ کشتی ہے اس کے بغیر دنیا کے دریا کو پار کرنا مشکل ہے۔

۳۔ قرآن پر عمل کرنا اور دنیا سے بے رغبت ہونا تبلیغ دین کا سب سے پہلا اصول ہے۔

۴۔ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کفر سے اجتناب کرے۔

۵۔ انسان کو ایسی دولت جمع کرنی چاہیئے جو مرتے وقت ساتھ جا سکے

۶۔ جو شخص جوانی میں فرمان خداوندی کو ضائع کرتا ہے خدا اُسے بڑھاپے میں ذلیل و خوار کرتا ہے۔

---

[1] : مندرجہ بالا اقوال "ملفوظات قاسمیہ" از سید محمد قاسم سے لئے گئے ہیں جو اصل فارسی میں ہیں لیکن ان کا ترجمہ درج کیا گیا ہے۔

۷ ۔ جس انسان کی زبان میں نرمی ہو اس کے دل میں محبت کا مادہ ضرور ہوتا ہے۔

۸ ۔ عورت جزو ایمان ہے۔

۹ ۔ جہان کی سب خوشیاں ان کو نصیب ہوتی ہیں جو اپنے رب کے ہر حکم پر قائم رہتے ہیں۔

۱۰ ۔ سکوت سے رہنا، اچھا صدق اور ناپسندیدہ باتوں سے کنارہ کرنا ایمان میں داخل ہے۔

۱۱ ۔ بے ادب تہی دست اور بے مراد ہوتا ہے۔

۱۲ ۔ بیکار باتوں کیلئے زبان اس وقت آمادہ ہوتی ہے جب قوتِ عمل اور اطاعت کا جذبہ مفقود ہو جائے۔ عشق الہیٰ بیکار باتیں کرنے کی بالکل اجازت نہیں دیتا۔ عشق کی فطرت تسلیم و رضا ہے۔

۱۳ ۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو شیطان مس کرتا ہے۔ اس پر وہ بچہ روتا ہے اور چیختا ہے لیکن نیک صفت پاکباز، اولیا، صدیق و شہید۔ انبیا و ائمہ معصوم صفت بچگان کو شیطان مس نہیں کرتا۔

۱۴ ۔ بے علم فقیر یعنی درویش کافر کے برابر ہے۔

۱۵ ۔ اصل درویش وہ ہے جو اپنی استطاعت کے مطابق لوگوں کی حاجت روائی کرے۔

۱۶ ۔ بھنگی اور شرابی کو حضور سرورِ کائنات کا دیدار نصیب نہ ہوگا۔

۱۷۔ کامل ولی کی نشانی یہ ہے کہ اسے قرب الہٰی حاصل ہو۔ اس کا باطن نور سے معمور ہو اور وہ شوق میں مسرور ہو۔

۱۸۔ اہل بدعت اور بے نمازیوں کا ذکر و فکر قبول نہیں ہوتا۔

۱۹۔ صاحبِ ہدایت جو کچھ اپنے مشاہدے میں دیکھتا ہے وہ معراج ہے اور صاحب بدعت جو دیکھتا ہے وہ سراسر گمراہی ہے۔

۲۰۔ ایک سچے عالم دین کی تباہی جہاں کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔

۲۱۔ خداوند تعالیٰ کا نام سن کر جلَّ جلالہٗ کہنا چاہیئے۔

۲۲۔ حضرت رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا نام سنکر درود بھیجنا چاہیئے۔

چند نصیحتیں

۱۔ وہ شخص جو سخت آفت میں مبتلا ہو جس کا مال ضائع ہو گیا ہو اس کو بقدرِ ضرورت سوال کرنا حلال ہے۔

۲۔ وہ شخص جس کو فاقہ درپیش ہو اور اسکی قوم کے تین عقلمند آدمی اس کے فاقہ کی تصدیق کر دیں تو اس کو سوال کرنا جائز ہے۔

۳۔ آپ نے بوساطت امام جعفر صادقؓ فرمایا کہ جو شخص شدید احتیاج کے بغیر سوال کرے وہ گویا شراب پیتا ہے۔

۴۔ جس قوم میں بھیک مانگنے والوں کی تعداد زیادہ ہو اس میں بہت خرابیاں پیدا ہوتی ہیں قوم کی دولت روز بروز گھٹتی ہے۔ اور دولت کے ساتھ قوت بھی زائل ہو جاتی ہے۔

۵۔ محنت کی عادت روز بروز زوال پذیر ہو رہی ہے۔

۶۔ کاہل اور فاقہ مست لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

۷۔ بے حیائی اور فحاشی کو ترقی ہو رہی ہے۔

۸۔ مفت خوری کی وجہ سے معاشرے میں آوارگی اور بد اطواری پھیلتی ہے۔

وصال

وصال

آپ نے کل ۴۴ سال لاہور میں قیام فرمایا۔ آخری ایام میں آپ کو کوئی مرض لاحق ہوگیا مگر یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کونسا مرض تھا جب بیماری کیوجہ سے آپکی حالت زیادہ خراب ہوگئی تو آپ کے سب سے زیادہ عقیدت مند رام چندر نے عرض کی کہ یا حضرت آپ شہر میں میرے مکان پر تشریف لے چلیں۔ وہاں تیمارداری کی سہولتیں آسانی سے میسر آسکیں گی۔ آپ نے فرمایا اب میرا آخری وقت آچکا ہے شہر میں جانے سے کیا فائدہ۔ لیکن رام چندر نے بہت ہی زیادہ اصرار کیا کہ یا حضرت میری یہ خواہش ہے کہ آپکے آخری رخصت سفر کیا جاوے میرے مکان سے نکلے چنانچہ آپ اسکے ساتھ چلے گئے اور چند روز اس کے گھر پہ قیام کرنے کے بعد سنہ ۱۲۳۸ھ میں مالک حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

نمازِ جنازہ اور لحد آپ کے وصال کی خبر شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور لوگ رام چندر کے مکان پر جمع ہو گئے۔ آپ کے بھائی اور خاندان زنجانیہ کے وہ افراد جو لاہور میں قیام پذیر تھے یہ حسرتناک خبر سنکر آپ کا آخری دیدار کرنے اور جنازے میں شامل ہونے کے لئے رام چندر کے مکان پر پہنچ گئے۔

غسل اور کفن دینے کے بعد جب آپ کا جنازہ شہر سے باہر لایا جا رہا تھا تو عین اسوقت حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری لاہور میں داخل ہو رہے تھے جب حضرت علی ہجویری نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا جنازہ ہے تو لوگوں نے جواب دیا یا حضرت یہ قطب الاقطاب جناب حضرت میراں حسین زنجانی کا ہے۔ اس وقت حضرت علی ہجویری کو اپنے مرشد کا یہ حکم یاد آیا کہ "اے علی تم لاہور جاؤ" جس کے جواب میں انہوں نے عرض کیا تھا کہ یا حضرت وہاں تو میرے بڑے پیر بھائی حضرت حسین زنجانی موجود ہیں اس پر مرشد کامل نے فرمایا کہ "اے علی تم میرے حکم کی تعمیل کرو" حضرت حسین زنجانی کا جنازہ دیکھ کر آپ پر مرشد کے حکم کی حکمت ظاہر ہو گئی۔

حضرت علی ہجویری نے لوگوں کو حکم دیا کہ میت کو کندھوں سے اتار کر زمین پر رکھ دیں۔ آپ کے کہنے پر لوگوں نے میت کو زمین پر رکھ دیا حضرت داتا صاحب نے کفن کھول کر آپ کے نورانی چہرہ مبارک کی زیارت کی۔

اسکے بعد آپ کا جنازہ باغ زنجان میں لایا گیا جہاں پر آپ ذکر و اذکار کیا کرتے تھے۔ اس باغ میں آپکی قبر کھودی گئی۔ حضرت داتا صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا۔ یہ باغ زنجان اسی جگہ واقع تھا۔ جہاں آج کل آپ کا مزار مبارک ہے۔

حضرت میراں حسین کی تجہیز و تکفین کے بعد داتا صاحب نے بذریعہ کشف آپ سے معلوم کیا کہ حضور اب میرے لئے کیا حکم ہے تو آپ نے فرمایا کہ "اے علی! شہر کی مغربی جانب دریا کے کنارے قیام کرو اور اسلام کی تبلیغ شروع کردو۔ اسکے بعد حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری نے ہاتھ اٹھا کر بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ یا اللہ مجھے بھی وہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرما جس کی تکمیل میں میرے بڑے روحانی بھائی حضرت شاہ حسین زنجانی تمام عمر مصروف رہے ہیں[1]

وفات کے سنہ میں تاریخی اختلاف

لاہور کی بہت سی تاریخیں لکھی جا چکی ہیں اور قریب قریب ہر مورخ نے حضرت میراں حسین زنجانی کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے اکثر تذکرہ نگاروں نے آپ کا سال وفات ۶۰۰ھ درج کیا ہے جو تاریخی اعتبار سے صحیح معلوم نہیں ہوتا حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش کا ذکر کرتے ہوئے انہیں تذکرہ نگاروں نے

---

[1] سفینۃ الاولیاء از دارا شکوہ   [2] بزرگان لاہور از پیر غلام دستگیر نامی

لکھا ہے کہ جب آپ لاہور تشریف لائے تو اسوقت شہر کی مشرقی جانب سے حضرت حسینؒ زنجانی کا جنازہ نکل رہا تھا حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات فوائد الفوادؔ[1] میں بھی یہ واقعہ اسی طرح درج ہے کہ جب حضرت علی ہجویری ۴۳۱ھ میں لاہور تشریف تو لاہور کی مشرقی جانب سے (جہاں آجکل یکی دروازہ ہے) ایک جنازہ نکلتے ہوئے دیکھا آپ نے دریافت کیا کہ یہ جنازہ کس کا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ جنازہ حضرت قطب الاقطاب حسین زنجانی کا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت میراں حسین زنجانی کی وفات اور حضرت داتا گنج بخش کی آمد کا سنہ ایک ہی ہے یعنی ۴۳۱ھ یہ واقعہ اور وفات کا سنہ ملفوظات اور سفینۃ الاخبار میں بھی درج ہے۔ جس کا ثبوت موجود ہے۔

بعض محققین نے اس سنہ کو غلط قرار دیا ہے اور وفات کا سنہ سفینۃ الاولیاء کے حوالے سے ۶۰۴ھ لکھا ہے۔ سفینۃ الاولیاء داراشکوہ کی تصنیف ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ اس نے تحقیق سے بالکل کام نہیں لیا۔ یہ حقیقت بھی مدنظر رکھنی چاہیے کہ مورخ اور تذکرہ نگاروں کے مقابلے میں ولی اللہ کی رائے زیادہ مستند ہوتی ہے۔

---

[1] فوائد الفواد صفحہ ۳۵ از نظام الدین اولیاء

مزارِ مبارک

مزار مبارک

علاقہ چاہ میراں سے جانب جنوب آبادی میں گھرا ہوا اور سطح زمین سے کسی قدر اونچی جگہ پر ایک خوبصورت سبز گنبد نظر آتا ہے جو آج آبادی کی زینت بنا ہوا ہے، نیلم سینما کے چوک سے چاہ میراں روڈ پر بجانب مشرق چلتے ہوئے تھوڑے سے فاصلے پر دائیں جانب ایک چھوٹی سی پختہ سڑک ہے جو سیدھی اس سبز گنبد والے مزار کو جاتی ہے یہ سبز گنبد والا مزار اس پاک ہستی کا ہے جو تاریخ میں حضرت شاہ حسین زنجانیؒ کے نام سے مشہور ہیں جنہوں نے لاہور میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھی اور وہ دل جو کفر و شرک سے سومنات بن چکے تھے انکو نور ایمانی سے روشن کیا۔

تاریخی ادوار میں مزار مبارک کی حالت یوں بیان کی جاتی ہے کہ صدیوں تک آپ کا مزار مبارک ایک چبوترے پر باغ زنجان کے اندر مرجع خلائق رہا، پھر چار دیواری بنا دی گئی۔ اب یہ معلوم نہیں کہ وہ چار دیواری کب اور کس نے بنائی! لیکن آتنا

ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جب باغ زنجان نولکھا باغ میں مدغم ہوا تو اس وقت قد آدم چھوٹی اینٹ سے بنی ہوئی چار دیواری موجود تھی۔ بعد میں کافی عرصہ تک مزار مبارک کی یہ حالت رہی۔ اس کے بعد مزار مبارک کی حالت کے بارے میں تاریخ لاہور کے مختلف مورخوں کے اقتباسات درج ذیل ہیں۔

مولوی نور احمد چشتی کا بیان

مولوی نور احمد صاحب تحقیقات چشتی کے مصنف ہیں۔ تحقیقات چشتی سنہ ۱۸۶۹ء سے طبع ہونی شروع ہوئی لیکن آخری نسخہ سنہ ۱۸۸۱ء میں شائع ہوا جس میں مزار مبارک کی حالت کے متعلق لکھا ہے کہ "حضرت شاہ حسین زنجانیؒ کا مزار مبارک جنوب رویہ موضع میراں کی کھوئی واقع ہے۔ صورت مزار مبارک یہ ہے کہ قد آدم بلند ایک چار دیواری خشتی ہے جس کا در آمد و رفت شرق رویہ مع طاق تختہ چوبی۔ اندر اس چار دیواری کے ایک اور چار دیواری خشتی ہے جس کے سرہانے چراغدان اور اندر اس کے چبوترہ پر حضرت کی مزار ہے۔ دروازہ کے باہر شمال کی طرف ایک دالان خشتی سہ دھن والا محرابی جس کے آگے شرق رویہ چبوترہ مگر اب یہ مکان آوارہ پڑا ہے۔ کوئی فقیر مکان دار یہاں نہیں بیٹھتا لیکن کسی وقت وہاں پر فقیر بیٹھا کرتے تھے۔ اگرچہ ایک دو اور دالان وغیرہ چاہ چرخی دار بھی برائے آسائش موجود ہے مگر خدا جانے کیا باعث ہے کہ اب مدت سے یہاں لوگوں کا آنا کم ہو گیا ہے۔

کنہیالال کا بیان

تاریخ لاہور کے ایک اور مصنف کنہیا لال تھے جو ہندو تھے۔ انکی تاریخ لاہور ۱۸۸۴ء میں لکھی گئی تھی

انہوں نے لکھا ہے کہ یہ متبرک مزار موضع میراں دی کھوئی بیرون شہر لاہور بجانب شرق بفاصلہ ایک میل واقعہ ہے۔ اگرچہ عمارت مختصر ہے مگر مکان قدیم اور صاحب مزار قدسائے بزرگان لاہور سے ہیں۔ مزار مبارک قد آدم بلند چار دیواری خشتی کے اندر موجود ہے۔ قبر بھی خشتی چونے کی بنی ہوئی ہے اور مکانات پختہ فقراء کی سکونت کیلئے بنے ہوئے ہیں اور چاہ چرخ داری جاری ہے۔ سکھوں کے وقت اس مزار پر بڑا میلہ لگتا تھا۔

محمد دین فوق کا بیان

محمد دین فوق صاحب بھی لاہور کے تاریخ دانوں میں سے تھے جنہوں نے مآثر لاہور میں آپ کے مزار کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت میراں حسین زنجانی کا مزار چاہ میراں میں ایک طویل و عریض باغ کے اندر ہے یہ باغ سکھوں کے زمانے میں آباد ہوا تھا اور یہی وہ مقام ہے جو باغ زنجان کہلاتا تھا آپ کے باغ میں ہی آپ کا مزار بنایا گیا۔

آپ کا مزار ایک قد آدم خشتی چار دیواری کے اندر ہے۔ مزار کے سرہانے خشتی چراغدان ہے۔ مزار پر گنبد کوئی نہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مزار بہت قدیم زمانے کا ہے۔ مزار کا دروازہ مشرق کی جانب ہے شمال کی جانب

ایک خشتی دالان ہے۔ چار دیواری کے باہر ایک چاہ چرخی اور اس کے پاس ہی چند قبروں کے آثار ہیں۔

دربار کی سابقہ حالت

آج سے تقریباً ۵۰ سال پہلے جب کہ سید مدد علی شاہ سجادہ نشین تھے حضرت میراں حسین کا روضہ مبارک ایک خشتی چار دیواری کے اندر دو فٹ اونچے چبوترے پر حیح خلائق تھا۔ علاوہ ازیں روضہ مبارک سے مشرقی جانب پختہ مکان فقراء کی سکونت کے لیے تھا۔ غرب رویہ ایک چھوٹی سی مسجد تھی اور مسجد کے ساتھ شمال رویہ ایک حجرہ بھی تھا۔

سید مدد علی شاہ زنجانیؒ نے آخری عمر میں مزار مبارک پر گنبد بنوانے کا کام شروع کیا لیکن ابھی بنیادیں رکھ کر تعمیر کا تھوڑا ہی سا کام ہوا تھا کہ بیمار پڑ گئے اور چند دن بعد رحلت فرما گئے۔ سید مدد علی شاہ کے بعد ان کے چھوٹے بھائی سید شفقت علی شاہ نے کسی قدر تعمیر کے کام کی تکمیل کی۔ تعویز مبارک کے چبوترہ کو اونچا کر کے اردگرد آٹھ ستون بنا کر ان میں جالیاں لگوا دیں اور دروازہ بھی بنوایا جو آج سے پندرہ سال پہلے تک جالیوں والی چوکنڈی کی صورت میں مرجع خلائق تھی۔

سنہ ۱۹۵۴ء میں بہت زیادہ بارشیں ہوئیں اور سیلاب بھی آ گیا۔ ان بارشوں کی وجہ سے دربار ہذا کی مسجد گر گئی جس وجہ سے اس کی تعمیر اشد

ضروری تھی تو اس وقت شیخ محمد بخش نامی ایک شخص کو ایک رات حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی زیارت سے نوازا اور فرمایا کہ "اے محمد بخش ہمارے بڑے پیر بھائی حضرت شیخ حسین زنجانیؒ کی مسجد گر گئی ہے جاؤ اس کی تعمیر کرواؤ۔" شیخ محمد بخش خواب کے دوسرے روز ہی مسجد کی تعمیر کے لئے دربار حضرت میراں حسین زنجانیؒ پر حاضر ہوئے اور پرانی مسجد کی بنیادوں کو منہدم کر کے وسیع بنیادوں پر ایک مسجد تعمیر کروائی جو آج تک موجود ہے۔

مسجد کی تعمیر کے بعد ایک اور معتقد غلام صابر نامی شخص نے حضرت کے مزار کی پرانی جالیوں والی چوکھنڈی کو مسمار کر کے ایک عالی شان گنبد بنوایا۔ شمالی و جنوبی جانب قد آدم دیواروں کو گرا کر انکی جگہ دالان بھی بنوائے مسجد کے جنوب رویہ بھی ایک لمبا دالان تعمیر کروایا۔ چلہ مبارک خواجہ معین الدینؒ چشتی کی عمارت بنوائی اور دربار کی بقیہ عمارت کی بھی مرمت کروائی۔ شمالی دالان کو نظامی دالان، مغربی دالان کو نوری دالان اور جنوبی دالان کو عالمی دالان کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔

حال ہی (مارچ ۱۹۶۹ء) میں ملک محمد علی صاحب نے حضرت کے گنبد کی بڑے عمدہ انداز میں مرمت اور رنگ کروایا ہے۔ دربار کی بقیہ عمارت کی بھی مرمت کروائی ہے دربار کے باہر میدانی احاطے میں فرش بھی لگوایا ہے۔ اور آئندہ ان کا موجودہ مسجد کے عقب میں ایک وسیع اور عالی شان مسجد بنوانے کا ارادہ ہے اللہ تعالیٰ انکے اس نیک ارادے کو استقامت بخشے۔

دربار کی موجودہ عمارت

موجودہ عمارت ایک خوبصورت روضہ مبارک کا سبز گنبد، ایک مسجد، چند دالانوں اور چند حجروں پر مشتمل ہے۔ تعمیر شدہ عمارت کے باہر ایک وسیع میدانی صحن ہے جسکی احاطہ بندی تین اطراف سے ڈیڑھ قد آدم بلند دیوار اور غرب رویہ دربار کی تعمیر شدہ عمارت نے کور رکھی ہے۔ اس صحن میں تین راستوں سے داخل ہوا جا سکتا ہے۔ ایک راستہ جنوب مغربی دیوار میں ہے۔ ایک راستہ مشرقی کونے میں ہے۔ تیسرا راستہ شمالی دیوار میں ایک بہت بڑا در ہے جو ایک پختہ سڑک سے وابستہ ہے۔

میدانی صحن میں ایک چاہ چرخی معہ ایک غسل خانہ اور چند وضو کرنے والی ٹوٹیوں کے موجود تھی۔ اسکے غرب رویہ گیارہ قبریں تھیں جو تین رؤں میں تھیں پہلی رو میں تین قبریں۔ دوسری رو میں دو قبریں اور تیسری رو میں چھ قبریں تھیں دوسری رو میں پہلی قبر سید شرف علی شاہ ریحانی مرحوم کی تھی۔ تیسری رو میں پہلی چار قبریں زمین کے ساتھ وابستہ تھیں صرف اینٹوں کے نشان قبروں کی بقا کو ظاہر کرتے تھے۔ پھر دو قبریں پختہ تھیں۔ ان میں ایک قبر چھوڑ کر آخری پختہ قبر محمد امین چشتی مرحوم کی تھی جو حضرت میراں حسین ؒ کے بہت زیادہ معتقد تھے اور عرصہ دراز تک حضرت کے مزار پر حاضری دیتے رہے ہیں۔

چاہ چرخ اور قبروں کے علاوہ اس میدانی احاطے میں تین درخت بڑ کے ہیں حال ہی میں مورخہ ۲/۴۹ ۲۱ کو اس میدانی احاطے میں چاہ چرخی کو اکھیڑ کر اینٹوں کا فرش لگوا دیا گیا ہے اور گیارہ قبروں کی بجائے صرف نو قبروں کے نشان فرش پر لگائے گئے ہیں اور یہ بھی ان کے اصلی مقام پر نہیں ہیں ۔

تعمیر شدہ عمارت کے اندر جانے کیلئے ایک ڈیوڑھی سے گزرنا پڑتا ہے اس ڈیوڑھی کا در کلاں آمد و رفت شرق رویہ ہے ۔ یہ ڈیوڑھی پرانی تعمیر شدہ ہے اور صدر ڈیوڑھی کے نام سے موسوم ہے ۔ صدر ڈیوڑھی کے شمال کی جانب دو پختہ کمرے ہیں جو عرس کے موقع پر انتظامیہ کے بیٹھنے اور لنگر تقسیم کرنے کیلئے کام آتے تھے لیکن اب وہاں داتا شفاخانہ کے نام سے ڈسپنسری قائم ہے ۔

صدر ڈیوڑھی سے جنوب رویہ درگاہ شریف کے اندر داخل ہونے کیلئے دروازہ ہے ۔ پہلے وہاں صرف ایک محرابی در تھا اور اس کے ساتھ جنوبی ڈیوڑھی تھی ۔ اس میں دربار کے اندر جانے کا صدر دروازہ تھا لیکن اب وہ دروازہ بند کر دیا گیا ہے ۔ جنوبی ڈیوڑھی کی شرقی جانب باہر کی طرف ایک چھوٹا سا پختہ کمرہ ہے جس کے اندر دو قبریں ہیں ایک قبر سید محمد علی شاہ سجادہ نشین دربار ہذا اور درگاہ حضرت صدرؒ دیوان زنجانیؒ کی ہے اس کمرے سے متصلہ باہر کی شمالی جانب ایک چبوترے پر تین قبریں ہیں ۔ اس کمرہ کے ساتھ جنوب رویہ بمعہ چار دیواری ایک تالاب تھا لیکن اب وہاں تالاب نہیں بلکہ وضو کے لئے

ٹوٹیاں ہیں۔ اس تالاب کے غرب رویہ ایک ڈالان ہے جس سے گزر کر روضۂ مبارک پر پہنچا جاتا ہے۔

دربار کے اندرونی حصے کا صحن زیادہ کشادہ نہیں، صرف ۲۴ فٹ چوڑا اور پچاس فٹ لمبا ہے دربار کے صحن کے بیچ درمیان میں حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ کے روضہ مبارک کا گنبد ہے گنبد آٹھ محرابی دروں پر بنا ہوا ہے جن میں جالیاں لگی ہوئی ہیں گنبد کا دروازہ جنوب رویہ ہے جسے شاہی دروازہ کہتے ہیں۔ گنبد کے اندر ایک چبوترہ ہے اور چبوترے پر ایک چوبی کٹہرہ بنا ہوا ہے۔ اس چبوترے پر حضرتؒ کے مزار مبارک کا تعویذ ہے جس پر عام طور پر خوبصورت سبز رنگ کا غلاف چڑھا رہتا ہے۔ محرابی دروں کے اوپر سبز رنگ کا گنبد بنا ہوا ہے ہر محرابی در پر ایک کتبہ نما جگہ ہے جن میں مندرجہ ذیل اشعار لکھے ہوئے ہیں:

۱۔ آفتابِ فیضِ عالم ماہتابِ اولیاء
سیّد میراں حسین ام الکتابِ اولیاء

۲۔ المدد یا سرّ احمد نورِ ما قرآنِ ما
یا چہار و پنج گنجِ اولیاءِ کبریا

۳۔ المدد یا پیر کامل المدد آلِ عبا
یک نگاہ گاہِ گاہِ محمد مصطفےٰ

۴۔ باادب باش اینجا ہست شاہے
نظامِ جملہ عالم در نگاہے

۵۔ غوث الاعظم درمیانِ اولیاء
چوں محمد درمیانِ انبیاء

۶۔ راہ تاریک است و منزل دور دور
یک طرف کن گیسوئے خمدار را

۷۔ جملہ عالم تشنۂ دیدار تست
رو نبی پردہ مکن رخسار را!

۸۔ نور بخش ہر دو عالم گنج اسرارِ خدا
کاملاں را پیرِ کامل عارفاں را رہنما

گنبد کے شرق رویہ چراغ دان تھا لیکن اب اسے ختم کر دیا گیا ہے۔ کسی زمانے میں سابقہ عمارت کا صدر دروازہ وہاں پر تھا۔ گنبد کے شمال رویہ نظامی دالان ہے جس کے چار بڑے در ہیں۔ اس دالان کے درمیان گنبد تک ایک چھوٹی سی دیوار ہے جس سے عورتوں کے لئے علیحدہ باپردہ جگہ کا انتظام ہے اس دالان کے شمال رویہ باہر کی طرف عورتوں کیلئے دروازہ آمد و شد ہے، نظامی دالان کے غرب اور مسجد کے شمال رویہ متصلہ ایک حجرہ ہے جو امام صاحب کی خلوت کیلئے منفرد ہے اور وہاں بیٹھ کر امام صاحب دینی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔

روضۂ مبارک کے گنبد کے مغرب رویہ تھوڑے سے صحن کو چھوڑ کر مسجد ہے جو ۷۷ فٹ لمبی اور چودہ فٹ چوڑی ہے۔ مسجد کے تین دروازے محرابی شکل کے ہیں جن میں سبز رنگ کے طاق لگے ہوئے ہیں۔ مسجد میں تین الماریاں بمعہ طاق و تختہ ہیں۔ دو الماریاں شمالی دیوار اور ایک الماری جنوبی دیوار میں ہے۔ دو کھڑکیاں غرب رویہ اور ایک کھڑکی جنوبی دیوار میں بھی ہے۔

مسجد کے ساتھ جنوب رویہ اور گنبد سے مغرب کی جانب ایک بڑا دالان ہے جو مسجد کی چوڑائی سے دوگنا چوڑا ہے جس میں زائرین زیادہ تر بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس دالان کو نوری دالان کہتے ہیں۔

گنبد سے جنوب مشرق رویہ کونے میں چلہ مبارک خواجہ معین الدینؒ ہے جس کا دروازہ جنوب رویہ دالان میں ہے۔

مسجد کے عقب میں غرب رویہ باہر کی جانب ایک اونچی ٹیکری ہے جس پر قدیم قبریں ہیں جو تعداد میں مورخہ ۱۶/۴۹ کو ۵۰ تھیں لیکن اسی تاریخ کو ان قبروں کو صاف کر دیا گیا اور وہاں پر ایک عالی شان مسجد بنانے کا منصوبہ ہے

(متعلقات)

آپ کے بھائیوں اور ہمعصر بزرگوں کے حالات

حضرت سیّد میر موسٰی زنجانیؒ

حضرت میر موسٰی زنجانیؒ حضرت میراں حسین زنجانیؒ کے حقیقی بھائی تھے۔[1] آپ کا اصل نام موسٰی تھا۔ چونکہ آپ کے والدین کافی امیر تھے۔ اس لئے آپ میر موسٰی زنجانیؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ عمر میں حضرت میراں حسین زنجانیؒ سے چھوٹے اور حضرت یعقوب زنجانیؒ سے بڑے تھے۔

حضرت موسٰی زنجانی سنہ ۳۴ھ میں خاندان سادات زنجانیہ کے چشم و چراغ جناب سید علی محمود کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کے والدین نے اپنے بڑے بیٹے حضرت میراں حسین کی طرح آپ کو بھی گھر پر ہی دینی تعلیم دی۔ آپ بچپن سے ہی نہایت عبادت گزار تھے۔ تیس سال کی عمر میں علوم باطنی سے بہرہ ور ہونے کے لئے آپ نے اپنے بڑے بھائی حضرت حسین زنجانی کے ہاتھ پر

---

[1] شجرہ خاندانِ زنجانیہ از سید محمد یوسف شاہ زنجانی دربار ثمر لاہور از سید ہاشمی فرید آبادی

بیعت کی اور آپ کی ہدایت کے مطابق سلوک کی منازل کو طے کیا۔

جب حضرت میراں حسین زنجانیؒ نے بلاد ہند کی طرف سفر اختیار کیا تو آپ بھی اپنے بڑے بھائی کے ساتھ لاہور آئے اور لاہور میں قیام کیا۔ شروع شروع میں آپ نے لاہور شہر کی شمال مشرقی جانب جہاں آج کل مستی دروازہ ہے قیام فرمایا۔ آپ اَللّٰہُ الصَّمَدُ کا ورد کرتے تھے اور یادِ خدا میں اتنا محو رہتے تھے کہ بعض اوقات آپ پر مجذوبانہ کیفیت طاری ہو جاتی تھی چونکہ آپ اپنے لباس وغیرہ کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے اس لئے شروع میں لوگ آپ کا مذاق اڑاتے رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک مرتبہ ایک ہندو عورت آپ کے پاس آئی جسکی لڑکی بہت زیادہ بیمار تھی اس عورت نے بہت علاج کروایا لیکن شفایابی حاصل نہ ہوئی مگر جب اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ سائیں بابا جی دعا کریں کہ میری لڑکی تندرست ہو جائے۔ آپ جہاں پر بیٹھے تھے وہاں سے تھوڑی سی خاک اٹھا کر اسے دی اور فرمایا کہ جاؤ اللہ تعالیٰ فضل کریگا۔ اس عورت نے وہ خاک اپنی لڑکی کو دی۔ وہ بالکل تندرست ہو گئی۔ اس عورت نے یہ واقعہ اپنے رشتہ داروں اور اہل محلہ کو بتایا۔ رفتہ رفتہ عام لوگوں میں بھی اس کرامت کا چرچا ہونے لگا چنانچہ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ شہر کے باہر ایک فقیر بیٹھا رہتا ہے جس کی خاکِ پا میں تاثیر شفا ہے تو اکثر ہندو جو بیمار ہوتے آپ کے پاس آتے اور جہاں پر آپ

بیٹھے ہوتے وہاں سے خاک اٹھا کر لے جاتے اور شفا پاتے۔

آپ اکثر اوقات حالت استغراق میں رہتے تھے مگر جب یہ حالت ختم ہو جاتی تو آپ شہر میں جاتے۔ توحید کا پرچار کرتے اور لوگوں کو بتاتے کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ اس پر اکثر ہندو آپ کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

آپ کے آخری چند سال میں لوگوں نے آپ کو بہت زیادہ تنگ کرنا شروع کر دیا چنانچہ آپ وہاں سے ہجرت کر کے اس جگہ آ گئے جہاں آجکل آپ کا مزار مبارک ہے اور بقیہ زندگی وہیں گزار دی۔ آپ کبھی کبھی اپنے بھائی اور مرشد حضرت میراں حسین زنجانیؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔

آپ نے شادی نہیں کی اور ساری عمر عبادت الہٰی اور تبلیغ دین میں گزار دی۔ آپ نے سو سال کی عمر پا کر ۴۴۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کی نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین کی رسومات آپ کے چھوٹے بھائی حضرت یعقوب زنجانی نے ادا کیں۔

آپ کا مزار مبارک لاہور ریلوے اسٹیشن سے شمال مشرقی جانب مرجع خاص و عام ہے جس علاقے میں آپ کا مزار مبارک واقع ہے اس آبادی کا نام پہلے بھارت نگر تھا لیکن اب اس کا پہلا نام تبدیل کر کے پاک نگر رکھ دیا گیا ہے۔

آپ کا روضہ مبارک ایک اونچی جگہ پر سڑک کے کنارے واقع ہے۔ آپ کا مزار مبارک ایک فٹ اونچے چبوترے پر ہے۔ مرقد مبارک کے اوپر ایک سیمنٹ کی چھت ہے جو چار ستونوں پر کھڑی ہے۔ روضہ مبارک کے

جنوب رویہ ایک پیپل کا درخت ہے اور غرب رویہ روضہ مبارک کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہوئی ہے جس کا صحن نہیں ہے۔

حضرت سید یعقوب زنجانیؒ

آپ حضرت میراں حسین زنجانیؒ کے حقیقی بھائی اور عمر میں حضرت سید موسیٰ زنجانیؒ سے چھوٹے تھے سنہ ۳۵۰ھ[1] میں زنجان میں حضرت سید علی محمود کے گھر پیدا ہوئے اور دوسرے بھائیوں کی طرح ابتدائی دینی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ پھر زنجان کے امام مسجد سے عربی اور فارسی کی تکمیل کی۔ آپ کے والد بہت بڑے عالم اور زاہد و عابد بزرگ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تربیت نہایت پاکیزہ ماحول میں ہوئی اور آپ کے والد بزرگوار نے آپکی تعلیم اور تربیت اخلاق کی طرف بہ نفس نفیس توجہ فرمائی۔ ایک روایت کے مطابق بیس سال کی عمر میں آپ نے فقہ حدیث اور تفسیر کی تعلیم مکمل کر لی۔

بیعت آپ نے علوم باطنی سے بہرہ ور ہونے کیلئے اپنے والد محترم کے دست مبارک پر ہی بیعت کی جو زنجان میں اپنے زمانے کے جید عالم دین اور علوم ظاہری و باطنی میں کامل پیر طریقت تسلیم کئے جاتے تھے۔

---

[1] ملفوظات قاسمیہ از سید محمد قاسم زنجانی

حضرت سید یعقوب زنجانی کی اپنے والد بزرگوار کے دست حق پر بیعت کا حوالہ حدیقتہ الاولیاء اور تحفۃ الابرار میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آپ نے اپنے والد گرامی سید علی موسوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ کے والد ماجد کو موسوی اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک روحانی بزرگ حضرت سید موسیٰ کے مرید تھے۔

حضرت سید یعقوب زنجانیؒ نے اپنے والد کے زیر سایہ منازل سلوک طے کیں۔ کافی عرصہ ذکر و فکر ریاضت نفس اور مراقبہ میں مصروف رہے اور علوم باطنی سے بہرہ ور ہونیکے بعد والد بزرگوار سے خلافت عطا ہوئی۔ ۳۵ سال کی عمر تک آپنے اپنے والدین کی خدمت کی۔ اس خدمت کے دوران آپ جاگیر کے انتظام میں بھی اپنے والد بزرگوار کا ہاتھ بٹاتے رہے۔

سفر لاہور

آپ نے اپنے بھائی جناب حضرت میراں حسین زنجانیؒ کے ہمراہ لاہور کا سفر اختیار کیا جس کا مفصل ذکر حضرت میراں حسین زنجانیؒ کے سفر میں کیا جا چکا ہے لہذا آپکی آمد کا سنہ بھی وہی ہے جو حضرت میراں حسین زنجانیؒ کی آمد کا سنہ ہے لیکن تذکرہ نگار آپ کی آمد کے سنہ کے بارے میں بھی متفق نہیں۔

سفینۃ الاولیاء میں دارا شکوہ نے لکھا ہے کہ ۵۵۷ھ میں حضرت صدر دیوان زنجانیؒ کہ اصلی نام ان کا سید یعقوب زنجانی تھا شیخ المشائخ حضرت سید حسین زنجانیؒ سید اسحاق زنجانی اور امام علی لاحق کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔

تحقیقات چشتی اور تاریخ لاہور مؤلفہ کنہیا لال میں لکھا ہے کہ ۵۲۵ھ

میں بعہد سلطان بہرام شاہ غزنوی شیخ المشائخ حضرت شاہ حسین زنجانیؒ سید
اسحاق زنجانی کے ہمراہ تشریف لائے عجیب بات یہ ہے کہ دونوں مصنفوں
نے شاہ حسین زنجانی کی وفات سنہ ۴۳۱ھ لکھی ہے بلکہ ہسٹری آف لاہور کے
مصنف سید محمد لطیف اور محمد الدین فوق نے بھی سوانح داتا گنج بخش میں حضرت
شاہ حسین زنجانی کا سال وفات ۴۳۱ھ لکھا ہے لیکن تذکرہ حضرت صدر
دیوان میں دونوں مصنفوں کا یہ بھی تسلیم کرنا کہ حضرت شاہ حسین زنجانی سنہ ۴۳۱ھ
میں وفات پا گئے اور پھر یہ بھی لکھنا کہ وہ سنہ ۵۳۵ھ بعہد بہرام شاہ لاہور
تشریف لائے کس طرح درست ہو سکتا ہے بلکہ تحقیقات چشتی کے مصنف
نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ ان ہر سہ زنجانی بزرگوں کے ساتھ حضرت امام علی الحقؒ بھی
جن کا مزار سیالکوٹ میں ہے اور جو ان کے قریبی رشتہ دار تھے تشریف
لائے لیکن جب تاریخ کی چھان بین کی جائے تو یہ واقعہ بھی سرتاپا غلط نظر آتا
ہے اس لیئے کہ سیالکوٹ کی تاریخوں میں امام علی الحق کی آمد کا ذکر سلطان فیروز شاہ
تغلق کے زمانہ میں بیان کیا گیا ہے۔ سلطان فیروز ۵۰ سال کی عمر میں سنہ ۷۵۲ھ
میں دہلی کا بادشاہ ہوا سنہ ۷۸۹ھ میں عالم پیری کی وجہ سے اپنی زندگی ہی میں
اس نے اپنے فرزند کو سلطنت سونپ دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان
سراسر غلط ہے کہ حضرت امام علی الحق ان تینوں زنجانی حضرات کے ساتھ تشریف لائے کیونکہ
امام علی الحق اور تذکرہ بزرگان زنجان کے زمانوں میں ساڑھے تین سو سال سے زیادہ کا فرق ہے

لاہور میں قیام اور تبلیغ

آپ نے اپنے بڑے بھائی حضرت میراں حسینؒ کے حکم کے مطابق لاہور کی جنوبی جانب شہر کے باہر سکونت اختیار کی اور وہاں سے تبلیغ کا کام شروع کیا۔ ابتدا میں آپ نے تبلیغ کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ شہر میں جا کر روزانہ چند لوگوں کو اکٹھا کرتے اور ان کو توحید کی دعوت دیتے۔ کچھ عرصہ آپ کا یہی مسلک رہا۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ چند مصائب زدہ ہندو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا حضرت بارگاہِ الٰہی میں ہمارے واسطے دعا فرمائیں کہ ہماری مشکلات آسان ہو جائیں، چنانچہ آپ نے بارگاہِ رب العزت میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ یا الٰہی اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صدقے سائل کنندگان کی مشکلات حل فرما۔ وہ لوگ دعا کروانے کے بعد واپس چلے گئے۔ دوسرے روز ہی ان سب کی مرادیں پوری ہو گئیں چنانچہ وہ ہندو دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ اس واقعہ سے آپ کی بزرگی کا چرچا ہوا۔

بعد ازاں بہت سی کرامات اور خرق عادات کے ظہور سے لاہور کے علما اور شرفا بھی آپ کی بزرگی اور شرافت کے قائل ہو گئے۔ آپ نہایت وسیع الاخلاق بزرگ تھے۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ جو شخص بھی آپکی خدمت

میں حاضر ہوتا آپ اس سے بڑی خوش خلقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے اور اسکے حال پر اتنی شفقت فرماتے کہ اسے سو فیصد یقین ہو جاتا کہ آپ صرف میرے ہی حال پر کرم فرماتے ہیں۔

بے شمار لوگ روزانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے روحانی فیض و برکت کی بدولت اسلام کی روشنی سے اپنے قلوب منور کرتے۔ چنانچہ اس شمع معرفت کی کرنوں کی روشنی اور چمک سے لاہور کی ظلمتِ کفر و شرک ختم ہونا شروع ہو گئی۔

آپ کے فیوض و برکات سے نہ صرف کثیر تعداد میں مسلمان ہوئے بلکہ پنجاب کا فرماں روا بھی آپ سے فیض یاب ہو کر آپ کا معتقد ہوا۔ آپ کے زمانے میں غزنوی حکومت کی طرف سے بالہم لاہور کے صوبے کا گورنر تھا بالہم نے ناگور کی ریاست پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تاکہ غزنوی خاندان کا رعب ہندوؤں پر چھا جائے۔ بالہم حضرت صدر دیوان زنجانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور فتح کیلئے دعا کروائی۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ حملہ کرو۔ خدا تعالیٰ آپ کو فتح دے گا جب بالہم نے ناگور کی ریاست پر حملہ کیا تو فتح نصیب ہوئی۔ قبولیت دعا کا یہ عظیم الشان نشان دیکھ کر آپ کا مرید ہو گیا۔ اور اپنی بہت سی زمین آپ کی نذر کی جس سے آپ کا خزانہ ظاہری دولت سے بھی پُر ہو گیا۔ اس لئے آپ کا وظیفہ بھی مقرر کیا تھا جس سے آپ

کی بقیہ زندگی معاشی اعتبار سے بہت اچھی گزری۔

شادی اور اولاد آپ کی شادی ۳۰ سال کی عمر میں ابو محمد کی بیٹی سے ہوئی جو آپ کے والد کے چچا سید عبداللہ اسحاق کے فرزند تھے۔ اس عفیفہ کا اسم گرامی زینب تھا جس کے بطنِ اطہر سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سید قاسم تھا انہیں سے لاہور میں سادات زنجانیہ کے سلسلے کا آغاز ہوا۔

وفات آپ نے سنہ ۴۹۰ھ میں وفات پائی اور آپ کی قیام گاہ میں ہی آپ کو دفن کیا گیا جہاں آجکل آپ کا مزار مبارک موجود ہے تحقیقات چشتی میں آپ کی وفات کا سنہ بحوالہ سفینۃ الاولیاء ۴۷۱ھ درج ہے پھر اسی سنہ کو حضرت میراں حسینؒ کا سنہ وفات بھی قرار دیا جاتا ہے جو میری تحقیق کے مطابق غلط ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اس سلسلے پر تحقیقات چشتی کے حوالے سے مفصل بحث کی جا چکی ہے پس ۴۹۰ھ آپ کا سنِ وفات ثابت ہوتا ہے۔

مزار مبارک تحقیقات چشتی میں آپ کے مزار کی متعلقہ عمارات و قبور کا مفصل حال درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مزار کا احاطہ بہت وسیع تھا غرب رویہ اس کے قصاب خانہ و مشرق بہ رویہ

لہ ملفوظات قاسمیہ از سید محمد قاسم زنجانیؒ

تالاب رتن چند گرد و نواح تمام قبرستان، سکھوں کے عہد عملداری میں اس مزار کے قبرستان کی حد بہت دور تک تھی۔ احاطہ مزار کی قبروں کے علاوہ یہاں دارو غان مہاراجہ رنجیت سنگھ اور قاضیان لاہور کے قبرستان بھی تھے مزار کے مغرب کی طرف جو قصاب خانہ تھا اسکے ساتھ ہی مزار سے متصل پہلوانوں کا اکھاڑہ تھا۔ قبر پر سنگ مرمر کا تعویذ تھا اور ایک طرف نشست گاہ خواجہ معین الدینؒ اجمیری کی تھی جو آج تک موجود ہے جہاں انہوں نے اعتکاف کیا تھا۔ غرب رویہ ایک مسجد پختہ عالیشان جس کے تین در محرابی کلاں ہیں مشرقی جانب سبزی منڈی تھی۔

تاریخ لاہور کے مصنف رائے بہادر کنہیا لال نے اپنی کتاب تاریخ لاہور میں حضرت کے مزار کے حالات درج کئے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ "آپ کا مزار پختہ چاردیواری کے اندر واقع ہے۔ آپ کا مزار ایک چبوترے پر ہے چبوترے کے غرب رویہ پختہ عمارت اور ایک عالی شان مسجد بنی ہوئی ہے اسکی تین محرابیں منقطع ہیں اسکے علاوہ وہاں اور بھی کئی عمارتیں ہیں۔ پہلے ہر جمعرات کو یہاں میلہ لگتا تھا۔ اب ہر سال ۱۶ رجب کو آپ کا عرس ہوتا ہے لیکن اب کچھ چرچا نہیں کیونکہ دونوں طرف لالہ رتن چند کے تالاب اور ان کی سرائے نے مزار اور اس کی متعلقہ عمارتوں کو چھپا دیا ہے۔"

محمد دین فوق صاحب اس مزار کا حال بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

مزار کا احاطہ بہت تنگ ہو گیا ہے معلوم نہیں مزار کی متعلقہ زمین متولیوں نے بیچ دی یا لوگ خود قابض ہو گئے۔ قصاب خانہ اور کشتی گیروں کے اکھاڑے بھی نابود ہو گئے ہیں۔ قصاب خانہ غالباً اس وقت یہاں سے ہٹایا گیا جب ۱۸۸۱ء میں میو ہسپتال اور میڈیکل کالج کی تعمیر شروع ہوئی قبرستان بھی اس زمانے میں بند ہو چکا تھا۔ احاطہ مزار کی جو زمین دیوان رتن چند کی سرائے اور نالا سے بچ گئی وہ یا ر لوگوں کے کام آئی چنانچہ اب ہاں کئی مکانات موجود ہیں انہیں میں خانقاہ کے متولی بھی رہتے ہیں۔ کچھ زمین زنانہ ہسپتال والوں نے لے لی سرائے رتن چند میں سبزی منڈی لگتی تھی جب ۱۹۲۷ء میں لاہور میں ہندو مسلم فساد ہوا تو ہندوؤں نے سبزی منڈی بیرون موچی دروازہ کا بائیکاٹ کر کے اس سرائے میں ایک ہندو سبزی منڈی قائم کی چونکہ وہ ہنگامی جوش تھا اس لئے وہ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔

مزار کی موجودہ حالت

شاہ صدر دیوان زنجانیؒ کا مزار مبارک اب نظروں سے بالکل پوشیدہ ہے لیڈی ایچیسن ہسپتال کے دروازے سے مشرقی جانب تھوڑے سے فاصلے پر ایک پریس میں سے ایک چھوٹی سی تنگ گلی گزرتی ہے جو سیدھی خانقاہ حضرت صدر دیوان پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ اس راستہ کی دائیں جانب سرائے

روم جینہ کی پشت اور بائیں جانب زنانہ ہسپتال کی طویل دیوار ہے۔

مزار مبارک دو قد آدم بلند چار دیواری کے اندر ہے اور اس چار دیواری کا دروازہ شرق رویہ ہے۔ دربار کی حدود میں داخل ہوتے ہی دائیں جانب وضو کے لئے ٹوٹیاں ہیں اور بائیں جانب ایک چبوترہ ہے۔ اس کیسا تھ ہی خانقاہ میں داخل ہونے کے لئے صدر دروازہ ہے جو محرابی شکل کا ہے جس کے اوپر ایک سنگ مرمر کی تختی پر یہ شعر کندہ ہے۔

السلام اے لاڈلے شاہ علیؓ

رہنماؤں کے صدر دیوانِ ولی

محرابی دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی بائیں جانب اعتکافیہ حجرہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہے۔ اس سے ذرا آگے پختہ چار دیواری کے عین درمیان ایک بہت بڑے چبوترے پر شاہ صدر دیوان زنجانیؒ کا مزار مبارک ہے یہ چبوترہ زمین سے تین فٹ بلند ہے۔ اس چبوترہ پر ۲ فٹ اونچا ایک جنگلہ لگا ہوا ہے۔ اس چبوترہ کا جنگلہ اور چبوترہ کی قبروں کی مرمت اور چبوترہ کا فرش خشتی ایک کشمیری نے سنہ ۱۹۴۰ء میں تعمیر کروایا تھا۔ اس کا نام "تاج الدین ولد فضل دین تھا چبوترے کے جنگلے کا دروازہ جنوب رویہ ہے۔

چبوترہ پر پانچ قبریں ہیں تین قبروں کے بعد حضرت کے مزار مبارک کا

تعویذ مبارک ہے اور آپ کے مزار کے بعد اسی چبوترہ پر ایک اور قبر ہے
آپ کی قبر دوسری قبروں سے ذرا بلند ہے۔ آپ کی قبر کے علاوہ دوسری
چار قبروں کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ ایک قبر آپ کے صاحبزادے
سید محمد قاسم کی دو قبریں بھتیجوں اور ایک قبر آپ کی بیوی زینب کی ہے
آپ کی قبر پر اکثر سبز رنگ کا غلاف چڑھا رہتا ہے چبوترہ کی شمالی جانب
ایک چھوٹا سا چراغ دان بھی ہے

چبوترہ کے غرب رویہ مسجد ہے اس کے تین محرابی دروازے ہیں مسجد کے
ساتھ جنوب کی طرف ایک اور چبوترہ پر گیارہ قدیم قبریں ہیں۔ جہاں پر ایک
درخت "ون" اور ایک نیم کا ہے ان قبروں میں سید کرم علی شاہ سجادہ نشین کی
بھی قبر مبارک ہے۔ چاردیواری کے باہر خانقاہ کے صدر دروازے کے ساتھ ہی
ایک کنواں اور بڑ کا درخت ہے سید حامد علی شاہ موجودہ سجادہ نشین ہیں۔

○

حضرت شیخ اسماعیل بخاریؒ

حضرت شیخ اسماعیل موصوف بخاریؒ سادات عظام سے تھے لیکن اصل
وطن کسی نے نہیں لکھا البتہ اس پر سب مورخین کا اتفاق ہے کہ آپ
غزنوی عہد میں لاہور آئے۔ لاہور میں ان کی آمد کے متعلق مورخین نے اپنی اپنی

تاریخوں میں مختلف آراء ظاہر کی گئی ہیں بقول صاحب تحقیقات چشتی آپ بعہد ہندو راجہ جوڈری اور سروان آئے اس وقت یہاں مسلمانی ہرگز نہ تھی ان کے وعظ سے لوگ مسلمان ہوئے۔ اول دفعہ جو انہوں نے بروز جمعہ وعظ کیا تو دو سو پچاس اور دوسرے جمعہ تین سو پچاس اور تیسرے جمعہ پانچسو ہندو مسلمان ہوئے[1]

رائے بہادر کنہیا لال مصنف تاریخ لاہور ۱۸۸۴ء کے قول کے مطابق آپ ۴۱۲ھ میں آئے اور لکھا ہے کہ آپ کے وعظوں میں اتنی تاثیر تھی کہ ہزارہا لوگ مسلمان ہوئے[2]

صاحب خزینۃ الاصفیا۔ دعوت اسلام اور بزرگان لاہور کے بیان کے مطابق آپ ۳۹۵ھ بمطابق ۱۰۰۵ء میں بعہد سلطان محمود غزنوی آئے اکثر مورخین نے قریباً ایک ہی زمانہ بتایا ہے اور قرین قیاس بھی یہی ہے کہ آپ ۳۹۵ھ میں لاہور آئے۔

بعض مورخ یہ ثابت کرتے ہیں کہ آپ سب سے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے بلاد لاہور میں کفر و شرک کی تاریکیوں کو نور ایمانی سے روشن کرنے کے لئے قدم رکھا لیکن اصل میں حضرت میراں حسین زنجانیؒ اور ان کے ہمراہی تھے جنہوں نے ۳۸۰ھ میں آ کر تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھی اور لاہور میں سب سے پہلے

---

[1] تحقیقات چشتی صفحہ ۱۷۹ از مولوی نور احمد چشتی [2] تاریخ لاہور صفحہ ۳۰۰ از کنہیا لال

آنے کا شرف حضرت میراں حسین زنجانی کو ہی حاصل ہے[1]

شیخ حضرت اسماعیل بخاریؒ بہت بڑے محدث اور مفسر تھے اور قرآن مجید کے حافظ تھے۔ جمعہ کے روز وعظ کرتے تھے ان کی مجلس وعظ میں سامعین کا ہجوم ہوتا تھا اور ہر روز صدہا لوگ خلعت اسلام سے مشرف ہوتے تھے، آواز اتنی اچھی تھی کہ جو شخص ایک دفعہ ان کے وعظ میں آتا وہ کلمۂ توحید پڑھے بغیر اور اسلام پر ایمان لائے بغیر واپس نہ جاتا تھا[2]

حضرت شیخ اسماعیل بخاریؒ کی آمد سے پیشتر حضرت میراں حسین زنجانی اور سادات زنجانیہ کے چند مبلغ اسلام دین اسلام کی تبلیغ کے لئے لاہور میں موجود تھے ۴۳۱ھ میں داتا گنج بخش علی ہجویری بھی تشریف لے آئے۔ چنانچہ یہ عین قرین قیاس ہے کہ حضرت شاہ اسماعیل بخاریؒ کی ملاقاتیں ان بزرگوں سے ہوئی ہوں گی۔ البتہ تاریخ یہ ثابت کرنے سے بالکل قاصر ہے کیونکہ اس بارے میں اس وقت کی کوئی مفصل تاریخ نہیں ملتی۔ کشف المحجوب بھی اس بارے میں بالکل خاموش ہے[3]

اس امر کا بھی کچھ پتہ نہیں چل سکا کہ آپ کس مسجد میں جمعہ پڑھاتے اور وعظ فرمایا کرتے تھے لیکن یقین کے ساتھ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ محمود غزنوی کے دور سے لاہور میں مستقل اسلامی حکومت قائم ہوئی اس لئے لشکر اسلام

---

[1] رسالہ حقیقت اسلام ۱۹۳۶ء[2] پریچنگ آف اسلام از ڈاکٹر آرنلڈ صفحہ ۲۲۶
[3] لاہور بحوالہ نقوش

اور مسلمان حکام و عوام کے لئے سرکاری طور پر کوئی نہ کوئی مسجد محمود کے زمانے میں تعمیر ہو چکی ہو گی۔

لاہور میں کامل ۵۳ برس تک اسلام کا یہ نایۂ ناز مبلغ دین فطرت کی اشاعت میں سرگرم رہا اور آخر ۴۴۸ھ میں مطابق ۱۰۵۶ء میں مالک حقیقی سے جا ملا۔ مہتاب کا لفظ کہ حاصل اعداد اس کا چار سو اڑتالیس مادہ تاریخ ہے[1]

گنجِ تاریخ سروری میں تاریخ رحلت یہ درج ہے۔

یافت آخر مکان بخلدِ بریں	چوں شدہ دیں فقیہہ اسمٰعیل
سالِ وصلش "فقیہہ محبوب" است	نیز "پیرِ وجیہہ" اسمٰعیل

اس زمانے میں مغلیہ عہد ۴۴۸ھ سے گنبد نما عالی شان مقبروں کا رواج نہ تھا اس لئے ان کا مقبرہ نہایت سادہ بنایا گیا۔ تاریخ لاہور میں کنہیا لال لکھتے ہیں کہ "اس متبرک مقبرہ پر گنبد نہیں مگر مکان نہایت قدیم ہے۔ مسلمانی سلطنت کے وقت مکان کے ساتھ بہت بڑا باغ بھی تھا اور مزار سے جانب غرب جو کنواں ہے اس پر چرخ چوب چلتا تھا۔"

عہد مغلیہ اور سکھوں کے زمانہ میں اس باغ اور مزار کو بہت سے حادثات پیش آئے۔ رائے بہادر کنہیا لال کے زمانہ ۱۸۸۴ء میں ان کے مزار کی زمین مجاوروں نے انگریزوں کے پاس فروخت کر دی اور انہوں نے اپنی کوٹھی

---

[1] بزرگان لاہور صفحہ ۱۹۰ از پیر غلام دستگیر نامی

میں شامل کرلی۔ قدیمی کنواں بھی اس کوٹھی میں آگیا۔ اس باغ اور مقبرہ کے ساتھ جو زمین بتائی جاتی ہے وہ ایک طرف یورپین کنفیڈرل اسکول اور رومن کیتھولک گرجا گھر کے وسیع احاطہ تک پھیلی ہوئی تھی جس کی پشت کا حصہ اس سڑک تک جو ای پلومر کے دواخانہ سے ہوکر سیدھی مزنگ کو جاتی ہے۔ مشرق کی طرف اس مقبرہ کی جو حدود تھیں وہ ان کوٹھیوں تک پھیلی ہوئی تھیں جو پانی والے کنوئیں کے ساتھ ساتھ چلی جاتی ہیں۔ اس باغ کی چاردیواری جنوب کی طرف حیات برادرز فرنیچر میکرز کی دکان سے بھی پرے تھی۔ فوق صاحب بیان کرتے ہیں کہ راقم ۱۹۲۳ء میں اس مزار اور صاحب مزار کے حالات معلوم کرنے کے لئے وہاں گیا تو معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ زمین بہت تھی جو متولی بیچ بیچ کر کھا گئے۔

ہال روڈ کی طرف جاتے ہوئے اسکول کی عمارت کے ساتھ ساتھ (جو درحقیقت اسی مزار کی زمین تھی) سڑک کے دائیں طرف چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں طے کرنے کے بعد مزار آتا ہے۔ سنگ مرمر کہاں نہیں البتہ مزار پختہ اینٹوں کا ہے۔ سرہانے چراغ دان بنے ہوئے ہیں۔ مزار معمولی حالت میں ہے کہ سینکڑوں اور ہزارہا مسلمان ہر روز قبر کے پاس سے گزرتے ہیں لیکن اس بزرگ کی روح کو کوئی دو ہاتھ اٹھا کر دعائے خیر کے چند کلمات نہیں کہتا جس کے مواعظ میں ہر جمعہ کو غیر مذاہب کے صدہا لوگ مسلمان ہوتے تھے۔

وہ باغ جو خدا جانے کتنی بڑی وسعت رکھتا تھا اور وہ مقبرہ جس کی حدود دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں آج اس سمندر کی طرح ہے جو انقلاب زمانہ کے زبردست تھپیڑوں حلقہ گرداب میں آنسو بن کر رہ گیا ہو۔ باغ کا اب کسی کو یہاں وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ مقبرہ کے بلند چبوترہ کے سوا ایک چپہ زمین بھی اس مزار کے ساتھ نہیں۔ قریباً سو سال یا کچھ عرصہ سے دو درخت ایک نیم کا اور ایک پیلو کا اس مزار کو ابر رحمت بن کر سایہ کئے ہوئے ہیں[1]

ان کی قبر کے پاس غرب رویہ ان کے خادم میاں حاجی کی قبر ہے یہ شخص ہمراہ ان کے غرب سے یہاں آئے ہوئے ہیں جو آج تک موجود ہیں

○

حضرت میراں حسین زنجانیؒ داتا گنج بخشؒ کے پیش رو ہیں

حضرت میراں حسین زنجانیؒ اور حضرت داتا گنج بخشؒ ایک ہی مرشد کامل حضرت شیخ ابو الفضل بن الحسن ختلیؒ کے مرید و خلیفہ ہونیکی حیثیت سے آپس میں پیر بھائی ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت داتا گنج بخش نے جو عرصہ مرشد کامل کی خدمت میں گزارا ان میں سے سات سال حضرت میراں حسین زنجانی کیساتھ صحبت میں

---

[1] مآثر لاہور از محمد دین فوق

علاوہ ازیں حضرت میراں حسین زنجانیؒ مرشد کامل کے حکم سے تبلیغ اسلام کیلئے لاہور آئے جب کہ اہل ہند کفر و شرک کی مضبوط زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ ظلم و تشدد کا دور دورہ تھا۔ لوگ توحید کے پیغام اور انسانیت کے حقیقی مقصد سے ناواقف تھے۔ ان کے مذہبی عقائد میں بتوں کو سجدہ کرنا دیوی اور دیوتاؤں کو انسانی خون کی قربانی دے کر خوش کرنا ہی مذہبی فریضہ سمجھا جاتا تھا۔ ایسے ماحول میں حضرت میراں حسین زنجانیؒ نے سب سے پہلے لاہور میں آ کر پیغام ایمان اور روحانی فیوض و برکات سے ضلالت و گمراہی اور جہالت کی گھنگور گھٹاؤں کو دور کیا۔ دلوں کے سومنات کو ایمان کی ضرب سے توڑ کر تشنگان حقیقت کو جام توحید پلایا بلکہ مے خانہ توحید کی بنیاد رکھی۔ اگرچہ آپ کی تبلیغی کوششوں سے آپ کے ہم عصر اور بعد میں آنے والے اولیاء کی بہ نسبت بہت کم لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے لیکن تبلیغ اسلام کی جو بنیاد آپ نے رکھی اس پر آپ کے بھائی حضرت یعقوب زنجانیؒ۔ آپ کے ہم عصر حضرت اسماعیل بخاریؒ اور آپ کے بعد آپ کے پیر بھائی حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ نے تبلیغ اسلام کا ایک عالیشان محل تعمیر کیا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کو اپنے مرشد کی طرف سے لاہور آنے کا حکم ہوا تو آپ نے مرشد سے عرض کیا کہ حضرت وہاں میرے بڑے پیر بھائی حسین زنجانیؒ موجود ہیں

لیکن مرشد کامل سے حکم ملا کہ اے علیؒ تم ضرور وہاں جاؤ۔ آپ مرشد کے حکم کی تعمیل میں لاہور روانہ ہو گئے۔ یہاں پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ اس لئے رات شہر کے باہر گذاری اور صبح کے وقت شہر میں داخل ہوئے۔ اتنے میں ایک جنازہ دیکھا لوگوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ قطب الاقطاب حضرت حسین زنجانی کا جنازہ ہے[1]۔ نماز جنازہ اور تدفین کی رسومات میں حصہ لیا پھر دعا کی کہ یا الٰہی مجھ سے بھی وہ کام لے جس کو میرے پیر بھائی حضرت شیخ حسین زنجانیؒ نے آخری دم تک سرانجام دیا۔

مندرجہ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ مرشد کے حکم سے لاہور آئے اور یہاں آ کر تبلیغ اسلام اور روحانی فیض کے اسی سلسلے کو جاری رکھا جس کی بنیاد حضرت میراں حسین زنجانیؒ نے رکھی تھی۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت میراں حسین زنجانیؒ حضرت داتا گنج بخشؒ کے پیش رو ہیں۔

اس پر ایک شاعر سید ارشادؔ کا شعر ملاحظہ فرمائیے:-

فیض بخشی کے خزانے لائے داتا گنج بخش

تاکہ جاری ہو سخاوت آپ کی میراں حسینؒ

---

[1] کشف المحجوب صفحہ ۱۰۶ ترجمہ از مولوی فیروز الدین

خواجہ صاحبؒ کی روضہ مبارک پر چلہ کشی

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اُن نامور اولیاء میں سے ہیں جن پر زمانہ ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔ آپ برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کے بانی ہیں اور آپ ہی کی کوششوں سے ہندوستان میں اسلام پھیلا۔

آپ ۵۳۶ھ سیستان کے قصبہ سنجر میں پیدا ہوئے اس لئے آپ کو سنجری بھی کہتے ہیں۔ آپ نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب بارہ واسطوں سے حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے ملتا ہے۔ بارہ برس کی عمر میں والد کے سایہ سے محروم ہو گئے۔ ترکہ میں ایک باغ اور چکی ملی۔ اسی کو روزی کا ذریعہ بنایا۔ اس اثنا میں ابراہیم قلندر نامی ایک مجذوب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کھلی کا ایک ٹکڑا دانتوں سے چبا کر آپ کو کھلایا جس کی تاثیر سے زندگی ہی بدل گئی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ طلب خدا میں چل کھڑے ہوئے۔ سمرقند پہنچے، کلام پاک حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔

سمرقند سے عراق کا رخ کیا۔ نیشا پور کی حدود میں ایک قصبہ ہارون سے گزر ہوا جہاں اس زمانہ میں حضرت شیخ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سکونت پذیر تھے۔ خواجہ صاحب نے ان کے دست حق پر بیعت کی۔ پیر و مرشد نے

کلاہ چار ترکی اور گلیم خاص مرحمت فرمایا اور ان کی صحبت میں رہ کر حضرت خواجہ صاحب نے چند دنوں میں اپنے قلب کو منور کیا۔

خواجہ صاحب ڈھائی سال تک پیر و مرشد کی خدمت میں رہے اور بہت ریاضت و مجاہدہ کیا۔ بعض بیانات کے مطابق آپ نے بیس سال تک پیر و مرشد کی خدمت کی اور انہیں کے ساتھ سیاحت بھی کی۔ سفر میں مرشد کا بستر اور دوسری اشیاء اٹھائے پھرتے تھے۔

خواجہ عثمان ہارونی کے ساتھ آپ سیوستان گئے پھر خواجہ بہاؤالدین اوشی رح سے بھی شرف ملاقات حاصل کیا۔ مرشد کے ہمراہ خواجہ صاحب مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھی گئے اور پیر و مرشد نے ان کے لئے وہاں دعا کی۔ مدینہ منورہ ہی میں خواجہ صاحب کو ہندوستان جانے کا حکم ہوا۔

مرشد سے خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد خواجہ صاحب بغداد آئے۔ پھر سنجان پہنچکر شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں ڈھائی سال گزارے پھر حضور غوث الاعظم میراں محی الدین شیخ سید عبدالقادر جیلانی رح سے شرف نیاز حاصل کیا اور انہیں کے ہمراہ بغداد آئے جہاں شیخ شہاب الدین سہروردی رح اور شیخ ضیاء الدین کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ یہیں پر اوحد الدین کرمانی سے ملاقات کی اور ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

آپ بغداد سے ہمدان تشریف لے آئے اور خواجہ یوسف ہمدانی سے

ملاقات کی۔ پھر تبریز پہنچے اور شیخ جلال الدین تبریزی کے پیر و مرشد ابوسعید تبریزی کی زیارت کی اور ان کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل کیا وہاں سے اصفہان آئے اور شیخ محمود اصفہانی سے کسب فیض کیا۔ بعد ازاں ہندوستان کا رخ کیا۔

جب خواجہ صاحب ہندوستان تشریف لائے تو حضرت شیخ علی ہجویریؒ وفات پا چکے تھے۔ خواجہ صاحب لاہور پہنچکر حضرت شیخ علی ہجویری کے روضہ مبارک کے برابر ایک کوٹھڑی میں چالیس دن تک معتکف رہے آپ کی چلہ گاہ مزار کی پائنتی جانب موجود ہے۔

حضرت خواجہ صاحبؒ حضرت علی ہجویریؒ داتا گنج بخش کے مزار پر چلہ کشی کے بعد حضرت میراں حسین زنجانیؒ کے دربار عالیہ میں بھی حاضر ہوئے اور روضہ مبارک کے برابر ایک جگہ اکتالیس دن کا اعتکاف کیا اور آپ کی چلہ گاہ مزار مبارک کی پائنتی جانب مرجع خلائق ہے۔

لاہور میں کچھ عرصہ ٹھہرنے کے بعد حضرت خواجہ صاحب ملتان تشریف لے گئے۔ وہاں پانچ سال تک رہ کر سنسکرت اور پراکرات زبانیں سیکھیں پھر دہلی جاتے ہوئے اجمیر شریف گئے اور ۱۰ محرم ۵۶۱ھ کو اجمیر شریف پہنچے۔

اس زمانہ میں چوہان خاندان کا مشہور راجہ رائے پتھورا اجمیر اور

دہلی کا حکمران تھا رائے پتھورا تاریخ میں پرتھوی راج کے نام سے مشہور ہے
راجہ کے آدمیوں نے خواجہ صاحب کے قیام میں بڑی مزاحمت کی۔ خود
راجہ بھی خواجہ صاحب سے اچھی طرح پیش نہ آیا۔ بالآخر خواجہ صاحب
کی تعلیم سے وہ لوگ متاثر ہونے لگے۔ راجہ کے کئی ملازم خواجہ صاحب
کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ اس طرح اجمیر سے اسلام کی کرنیں پھوٹ
کر سارے ہندوستان میں پھیلیں۔

خواجہ صاحب نے ۶ رجب المرجب ۶۳۲ھ میں وفات پائی۔
سیر العارفین کے بیان کے مطابق آپ کی عمر مبارک ۹۷ برس کی تھی۔

سجادہ نشین

حضرت یعقوب زنجانیؒ کی اولاد

حضرت یعقوب زنجانیؒ اور حضرت میراں حسین زنجانیؒ کے سجادہ نشین حضرت یعقوب زنجانیؒ المشہور صدر دیوان زنجانیؒ کی اولاد سے ہیں۔ جن کا شجرہ[1] حسب ذیل ہے۔

حضرت سید علی محمود

حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ — حضرت سید میر موسیٰ زنجانیؒ — حضرت سید یعقوب زنجانیؒ

حضرت سید یعقوب زنجانیؒ
|
سید محمد قاسم زنجانیؒ
|
سید امیر علیؒ
|

[1] شجرہ خاندان زنجانیہ از سید محمد یوسف زنجانی و تحقیقات چشتی صفحہ ۲۱۴
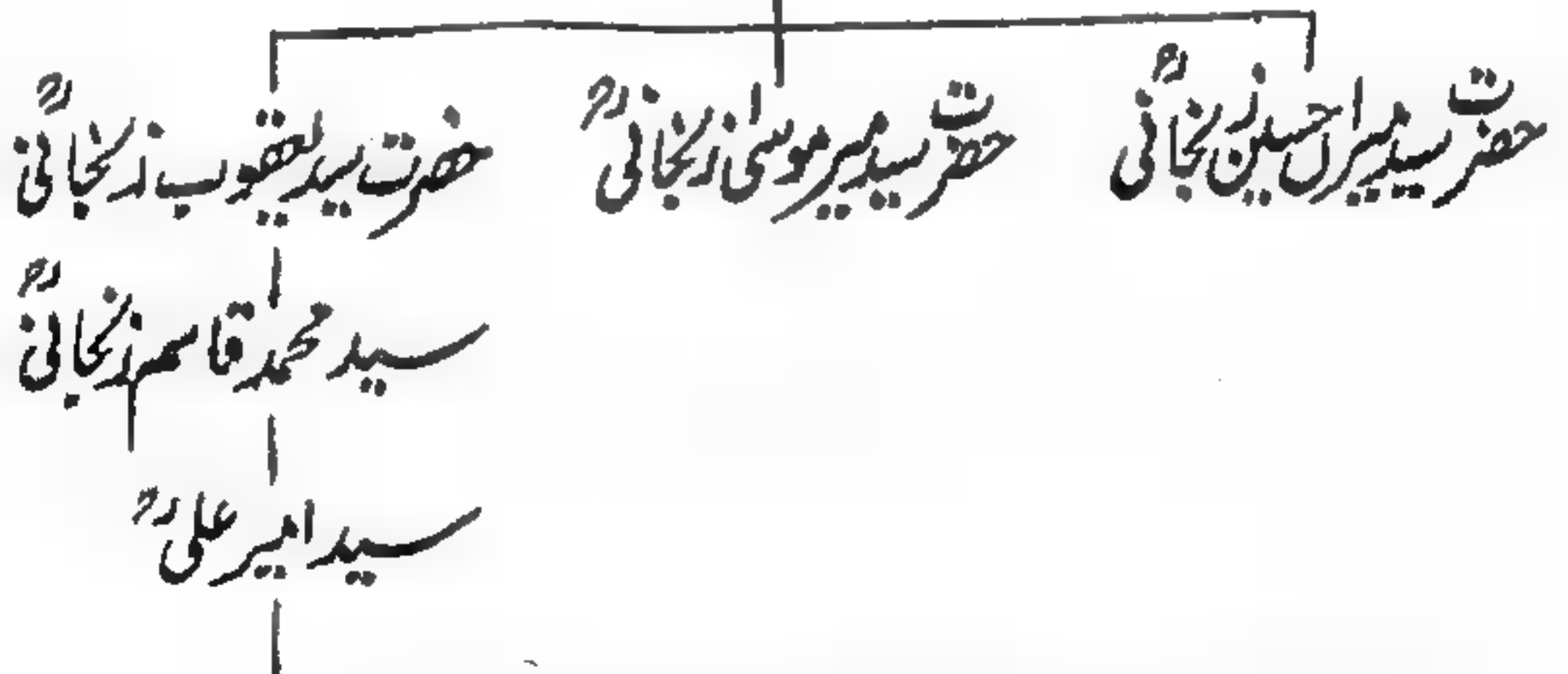
سید اسماعیل

سید امیر احمد شاہ المشہور ابو صدیق

سید ابوبکر زید عبد الجلیل حاجی الحرمین

سید منصور مکی عرف میراں سید محمد زنجانی

سید تاج الدین

سید سید محمد

سید کمال الدین عرف ابو الفرج زنجانی

سید عبد الواحد

سید سراج الدین

سید مونگہ شاہ

سید نصیر الدین

سید ابی لشاہ زید

سید جلال الدین

سید شرف الدین

سید عطاء اللہ

سید رکن الدین

سید احمد لشاہ

سید محمد شاہ

سید دادن شاہ

سید نور علی

سید خیر الدین

سید محمد حسین

سید نور حسین

سید قطب شاہ

سید کرم علی شاہ

سید احمد شاہ

سید مدد علی شاہ

سید سردار علی شاہ

(موجودہ سجادہ نشین)

- سید کرم علی شاہ
  - سید محمد شاہ
    - وزیر علی
    - انور علی
    - اکبر شاہ
      - مبارک علی
      - آزاد علی
      - بہادر علی
      - حسین علی
  - سید احمد شاہ
    - بدر علی شاہ
      - سید سردار علی شاہ (سجادہ نشین)
    - برکت علی شاہ
    - شفقت علی شاہ
  - سید ولی شاہ
    - محمد علی مرحوم (باہر خانقاہ)
    - احمد علی
      - محمد فیاض شاہ
    - شیر علی
    - حامد علی
  - سید خیر شاہ
    - شرف علی
    - حسین علی
    - عنایت علی
    - تاج علی
  - سید چراغ شاہ

حضرت سید یعقوب زنجانی کی اولاد میں بھی بہت سے بزرگان دین اور صاحب کشف بزرگ گزرے ہیں جن میں سے سید منصور مکیؒ المشہور میراں سید محمد زنجانی کالووالی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

سید منصور مکیؒ المشہور میراں سید محمد زنجانی کالووالیؒ

سید منصور مکیؒ سید ابوبکر زید عبدالجلیل کے بیٹے تھے۔ آپ کا پیدائشی نام سید منصور مکی تھا لیکن میراں سید محمد زنجانی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ لاہور میں پیدا ہوئے اور یہاں ہی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ آپ نے اپنی زندگی کا خاص حصہ ریاضت و عبادت اور مجاہدات میں گزارا۔ چنانچہ آپ میں وہ تمام فضائل و خصائل پیدا ہو گئے جو ایک عارف کامل میں ہوتے ہیں۔ آپ صاحب کشف و کرامت اور علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔

تبلیغ دین کی خاطر آپ لاہور کو چھوڑ کر قلعہ سوبھا سنگھ ضلع سیالکوٹ تشریف لے گئے اور موضع کالووالی میں قیام فرمایا۔ وہاں سے آپ نے رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ اس زمانے میں اس علاقے میں اندرپال اور کالورام دو ہندو بھائی تھے جو راجپوت قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے علاقے کے امیر ترین زمیندار تھے اور کئی مربع اراضی کے مالک تھے۔ کالووالی اور اس موضع کی متعلقہ اراضی کو ڈیک نالہ ہر سال بہت نقصان پہنچاتا

تھا، فصل تباہ ہو جاتی۔ اس نالہ ڈیک کی بربادی سے وہ دونوں بہت تنگ آئے ہوئے تھے۔ جب ان دونوں کو معلوم ہوا کہ ان کی بستی میں ایک درویش آئے ہیں تو وہ دونوں بھائی عالم امید و بیم میں حضرت میراں سید محمد زنجانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا حضرت اس نالہ ڈیک کی بربادی سے نجات دلائیں۔ چنانچہ آپ نے پانی کے کنارے کھڑے ہو کر دعا کی اور روایت کے مطابق یہ علاقہ ہر سال کی بربادی سے نجات پا گیا۔ چنانچہ وہ ہندو آپ کی اس کرامت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے اور بہت سی اراضی آپ کی نذر کی جو آج تک وہاں کے سجادہ نشینوں کے قبضے میں ہے۔

اس واقعہ سے اس علاقے میں آپکی بزرگی کا چرچا ہوا اور جب کبھی گاؤں کے کسی آدمی کو مشکل پیش آتی تو وہ آپکی خدمت میں حاضر ہوتا اور اللہ کے فضل سے اپنی مراد پاتا بلکہ بعض اوقات دور دراز کے علاقہ سے بھی لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کی صحبت میں بیٹھ کر نہ صرف اپنی مرادیں پاتے بلکہ آپ کے فیض صحبت سے ان میں ایک روحانی تغیر بھی پیدا ہو جاتا۔ اس طرح آپ کے ذریعہ بہت سے غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے دور کے نہایت کامیاب مبلغ اسلام تھے۔

جس مقام پر آپ نے قیام فرمایا تھا وہاں ہی آج کل آپ کا روضہ مبارک ہے جو اب بھی مرجع خلائق ہے۔

ہر سال اساڑھ کے مہینے میں آپ کے مزار مبارک پر ایک بہت بڑا میلہ لگتا تھا

○

سید کرم علی شاہ زنجانیؒ

سید کرم علی شاہ سے حضرت میراں حسین زنجانیؒ کی سجادہ نشینی کے سلسلے کا آغاز ہوتا ہے۔ آپ کے حالات درج ذیل ہیں۔

سید کرم علی شاہ قطب شاہ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ لاہور میں پیدا ہوئے آپکے والد ایک زاہد و عابد روحانی بزرگ تھے۔ وہ اپنے زمانے میں لاہور کے بہت بڑے صاحب کشف و کمال بزرگوں میں سے تھے۔ انکے رہنے سہنے کا انداز بہت سادہ تھا۔ اسلیئے سید کرم علی شاہ کی پرورش بھی بڑے سادہ ماحول میں ہوئی جب آپکی عمر پانچ سال کی ہوئی تو آپکے والد ماجد نے سید خاندان کے دستور کے مطابق اپنے بیٹے کو خود ہی قرآن مجید پڑھایا اور پھر عربی کی تعلیم بھی شروع کی۔ اس کے بعد بیس برس کی عمر تک ایک امام مسجد سے تفسیر اور حدیث پڑھی۔ پھر اپنے والد کے زیر سایہ ہی زہد و تصوف کی منازل کو طے کرنا شروع کیا اور تزکیہ نفس کے لئے کئی چلے کاٹے۔ علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ ور ہونے کے بعد پیر طریقت بنے۔

آپ نے اپنے والد کے ہاتھ پر ہی بیعت کی تھی۔ جب آپکے والد نے

نے اپنے بیٹے میں روحانی اوصاف دیکھے تو انہوں نے اپنے مرید کو خرقہ خلافت عطا فرمایا اور مریدوں سے بیعت لینے کی اجازت دی۔ اسکے کچھ عرصہ بعد والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ والد بزرگوار کی وفات کا قلب پر گہرا اثر پڑا اور کچھ دنوں تک آپ بہت افسردہ رہے لیکن جلد ہی آپ ذکر و فکر اور مراقبہ میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے روحانیت میں اپنے والد محترم کے علاوہ کئی دوسرے بزرگوں سے بھی فیض حاصل کیا۔

آپ نے دین اسلام کی تبلیغ کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا۔ ہمیشہ اپنے مریدوں اور دوسرے ملنے جلنے والوں کو راہ حق کی ہدایت کرتے۔ نماز کی پابندی کے متعلق تاکید فرماتے۔ ہمیشہ دین دار لوگوں کی محفل میں اٹھتے بیٹھتے تھے۔ فقراء و مساکین کی خدمت کرنا آپکا شعار تھا۔ انکے ساتھ بہت محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ اکثر حاجت مندوں اور محتاجوں کی ضرورت پوری کیا کرتے تھے۔ آپ ہر جمعرات کو دربار حضرت صدر دیوانؒ میں درس دیتے اسکے بعد ختم شریف کرواتے اور لوگوں میں تبرک تقسیم کیا کرتے تھے۔ مہینے میں ایک مرتبہ دربار حضرت میراں حسینؒ میں بھی ختم شریف کرواتے تھے۔

آپ نے ۶۰ سال کی عمر میں وفات پائی اور درگاہ حضرت یعقوب زنجانی میں دفن کیئے گئے۔

پیر سید احمد شاہ زنجانیؒ

آپ پیر سید کرم علی شاہ کے فرزند ثانی تھے کوچہ ڈوگراں اندرون شاہ عالمی گیٹ لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم گھر پر اپنے والد گرامی اور والدہ ماجدہ ہی سے حاصل کی۔ آپ نے جس ماحول میں پرورش پائی اسکا اثر تھا کہ بچپن ہی سے آپکے دل میں یاد الٰہی کے جذبات پیدا ہوئے اور تمنا ظاہر کی کہ بڑا ہو کر دین اسلام کی خدمت کروں گا۔ بچپن ہی سے نہایت متین اور سنجیدہ تھے۔ جوانی میں لاہور کے مختلف مدرسوں میں قرآن پاک کا ترجمہ تفسیر اور حدیث پڑھی۔ علاوہ ازیں علم شمیات اور علم جفر سے بھی واقفیت حاصل کی۔ پھر ریاضت اور نقش کشی میں مصروف ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ اس مقصد کے لئے آپ نے خاصہ وقت ذکر و فکر اور ریاضت و عبادت میں گزارا۔ اس طرح آپ نے سلوک کی وہ تمام منزلیں طے کر لیں جو ایک سالک کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔

والد محترم کی وفات کے بعد آپ دربار حضرت میراں حسینؒ کے سجادہ نشین مقرر ہوئے اور آخری عمر تک سجادگی کی خدمات انجام دیں۔ والد کی وفات کے بعد ان کے مریدوں نے آپ کے دست حق پر بیعت کی۔ آپ دور سجادہ نشینی میں دربار حضرت میراں حسین میں بڑے تزک و احتشام

کے ساتھ عرس مناتے تھے۔ آپ کو محفل سماع کا شوق تھا اور سالانہ عرس پہ محفل سماع بڑے ذوق سے سنتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے دربار حضرت میراں حسین میں چھ مہینے کا اعتکاف کیا۔ آپ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے

آپ نے ایک سید لڑکی سے پچیس سال کی عمر میں شادی کی جن سے چار بیٹے تولد ہوئے۔

(۱) اکبر شاہ (۲) مددعلی شاہ (۳) برکت علی شاہ (۴) شفقت علی شاہ

آپ نے اسّی سال کی عمر میں وفات پائی اور دربار حضرت میراں حسین زنجانیؒ میں دفن کیے گئے۔ گنبد کے نزدیک تین سرخ قبروں میں پہلی قبر آپ ہی کی ہے۔

○

سید مددعلی شاہ زنجانیؒ

آپ سید احمد شاہ کے فرزند ثانی تھے سنہ ۱۸۸۰ء میں کوچہ ڈوگراں اندرون شاہ عالمی گیٹ لاہور میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں دینی تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور آٹھ سال کی عمر تک ناظرہ قرآن پڑھا اور ساتھ ساتھ ہی تیرہ سال تک مڈل تک دنیاوی تعلیم بھی حاصل کی۔ پھر لاہور کے مختلف دینی مدرسوں میں قرآن مجید کا ترجمہ تفسیر اور حدیث پڑھی۔

اٹھارہ سال کی عمر میں بطور کلرک ملازمت اختیار کی اور تیس سال تک

ملازمت کرتے رہے اسکے بعد حکمت کا پیشہ اختیار کیا اور آخری دم تک بہ خوش اسلوبی سرانجام دیتے رہے۔ آپ کو حکمت سے فطری لگاؤ تھا۔

آپ نے ۲۵ سال کی عمر میں سید نوازش علی شاہ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور کافی عرصہ ان کی خدمت کی۔ ان کے حکم کے مطابق بہت سے ورد و وظائف اور اعتکاف کیے۔ آپ نے درگاہ حضرت صدر دیوان زنجانی میں تین چلے اور درگاہ حضرت میراں حسین زنجانی میں دو چلے کاٹے۔ پھر مرشد سے خلافت حاصل ہوئی۔ والد کی وفات کے بعد آپ کوچہ ڈوگراں سے چاہ میراں آگئے۔ یہاں آکر آپ نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ والد ماجد کی وفات کے بعد ان کے مریدوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ آپ اکثر اپنے ملنے جلنے والوں اور مریدوں کو نماز کی تاکید کرتے اور نیکی کی ہدایت کرتے۔

آپ کا معمول یہ تھا کہ روزانہ دو بجے اٹھتے اور دربار حضرت میراں حسین میں آجاتے اور اذان تک ذکر و اذکار میں مشغول رہتے۔ اسکے بعد فجر کی نماز ادا کرتے پھر کلام پاک کی تلاوت کرتے۔ اشراق کی نماز ادا کرنے کے بعد گھر آتے اور پھر ملازمت پر جاتے۔ عصر کی نماز کے بعد شام تک مریدوں سے ملتے اور دینی اصلاح کرتے۔

آپ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی (۲۰) برس کی عمر میں کی لیکن وہ

آپ کی پہلی بیوی دو سال کے بعد رحلت فرما گئیں پھر آپ نے دوسری شادی کی اور ان سے آپ کی اولاد پیدا ہوئی۔

آپ نے کافی عرصہ دربار حضرت میراں حسین زنجانیؒ کی سجادگی کی خدمات سرانجام دیں۔ ہر سال دربار کی عمارت کی مرمت کروانے اور سالانہ عرس بڑے تزک و احتشام سے منعقد کرواتے تھے۔ آپ نے آخری عمر میں مزار مبارک پر گنبد بنوانے کا ارادہ کیا لیکن ابھی بنیادیں رکھ کر تعمیر کا تھوڑا ہی سا کام شروع ہوا تھا کہ ۴۴ سال کی عمر میں اس فانی دنیا سے ۱۹۲۴ میں رحلت فرما گئے

○

سیّد سردار علی شاہ

آپ سید مدد علی شاہ کے فرزند اور دربار کے موجودہ سجادہ نشین ہیں والد ماجد کی وفات کے وقت آپ کی عمر بارہ سال تھی۔ آپ نے سید گل حسن شاہ صاحب سے بیعت کی سنہ ۱۹۲۴ء میں خرقۂ سجادگی کو زینت دی۔ حکمت کا پیشہ آپ کو ورثہ میں ملا ہے اور آج تک آپ اسکے ذریعہ خلقِ خدا کی خدمت میں مصروف ہیں محکمہ اوقاف کی تحویل میں جانے تک آپ مزار کے سجادہ نشین کی حیثیت سے اپنے فرائض کو بطریق احسن سرانجام دیتے تھے اور سالانہ عرس بھی کرواتے تھے۔

سید شفقت علی شاہ زنجانیؒ

آپ سید احمد شاہ کے فرزند صغیر تھے اور کوچہ ڈوگراں اندرون شاہ عالمی گیٹ لاہور میں ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے، آپ کی پرورش بڑے ناز و نعمت میں ہوئی۔ والدین نے آپکو دینی و دنیاوی تعلیم دلوانے کی انتہائی کوشش کی لیکن آپ نے کوئی خاص توجہ نہ دی۔ البتہ ابتدائی دینی تعلیم سے واقفیت حاصل کی اور قرآن مجید ناظرہ پڑھا۔

جوانی میں آپ نے لکڑی کے کام کا پیشہ اختیار کیا اور اس پیشے میں خاصی مہارت حاصل کر لی۔ والد بزرگوار کی وفات کے بعد آپ لائل پور چلے گئے اور وہاں کافی عرصہ بسر کیا لیکن والد محترم کی وفات کے بعد آپ کو عاقبت کا احساس پیدا ہوا اور دین سے لگاؤ کا جذبہ بھڑک اٹھا چنانچہ اس وقت سے خواجہ حسن نظامیؒ کے مرید ہوئے ۱۹۴۸ء میں لائلپور کو چھوڑ کر چاہ میراں آ گئے اسی وقت سے آپ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ میں اپنی بقیہ زندگی دین اسلام کی خدمت میں صرف کروں گا۔ پھر آپ نے نفس کشی کے لئے بہت زیادہ ریاضت و عبادت کی اور پیر و مرشد کی ہدایت کے مطابق درگاہ حضرت میراں حسینؒ میں کئی اعتکاف کیے۔ جن کی بدولت آپ نے عملیات اور ورد و وظائف میں کامل عبور

حاصل کرکے آخری دم تک خلقِ خدا کی بے لوث خدمت کی۔

آپ نے بیس سال تک دربار شریف میں تعمیری اور تبلیغی خدمات سرانجام دیں۔ دربار کی عمارت کی صدر ڈیوڑھی اور اس سے متعلقہ شمالاً و جنوباً دو برآمدے تعمیر کروائے۔ علاوہ ازیں مزار مبارک کی وہ چوکھنڈی جس کو آپ کے بھائی سید مدد علی شاہ نے تعمیر کروانا شروع کیا تھا لیکن پایۂ تکمیل تک پہنچنے سے قبل فوت ہو گئے تھے۔ اس کام کو آپ نے مکمل کرایا اور چوکھنڈی میں جالیاں اور دروازہ لگوائے۔ بعد میں ایک معتقد شخص کو کہہ کر دربار کی اندرونی حدود میں فرش بھی لگوایا۔ آپ وقتاً فوقتاً دربار ہذا کی مرمت اور سفیدی بھی کروایا کرتے تھے۔

تبلیغی خدمات کے سلسلے میں آپ نے دربار حضرت میراں حسینؒ میں چند ایک ایسے قابل قدر کارنامے سرانجام دیئے کہ انہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ سب سے پہلے دربار میں آپ ہی نے باجماعت نمازِ پنجگانہ کا اجراء کیا اور کافی عرصہ تک خود بطورِ امامت خدمت کی۔ آپ ہی کی کوششوں سے دربار میں نماز عیدین اور نماز جمعہ کی ابتدا ہوئی۔ آپ بڑے فیاض اور فراخ دل تھے۔ دربار میں اگر کوئی مسافر رات گزارتا تو آپ بڑے خلوص سے اس کو کھانا کھلاتے اور اس کی ہر قسم کی سہولت کو مدنظر رکھتے۔

پندرہ سال تک آپ نے دلی عقیدت سے دربار ہذا میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ عرس بھی کروایا جس میں خاموش صوفیانہ رسوم کے ذریعے سے تبلیغ دین اور خلق خدا کو فیض پہنچایا۔ آپ کو محفل سماع سننے کا حد سے زیادہ شوق تھا اور عرس مبارک کے موقعہ پر بڑے شوق و ذوق سے محفل سماع منعقد کروایا کرتے تھے۔ عمر کے آخری ایام میں سارا سارا دن دربار میں بیٹھ کر ذکر کیا کرتے تھے۔

آپ نے ۷۵ سال کی عمر میں ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۸۰ھ مطابق ۲۷ مارچ ۱۹۶۰ء کو وفات پائی اور درگاہ حضرت میراں حسینؒ میں دفن کئے گئے۔ آپ کی قبر مبارک تین سرخ قبروں کے جنوبی رویہ نوری اور رعالی دالان کے بیرونی کونے میں ہے۔

صوفی غلام حسین صوفی

منقبت سیّدی میراں حسینؒ

مظہر نورِ خدا ہو سیّدی میراں حسینؒ
تم حبیب مصطفےٰ ہو سیّدی میراں حسینؒ

جس کی گردِ راہ نے بخشی میرے دل کو ضیا
تم وہ نورِ مرتضےٰ ہو سیّدی میراں حسینؒ

والیٔ ذیشانؒ رونق آپ ہیں لاہور کی
لاڈلے شیرِ خدا ہو سیّدی میراں حسینؒ

مخلوق جس سے تا ابد ہوتی رہے گی فیض یاب
چشمۂ جود و سخا ہو سیّدی میراں حسینؒ

جس نے شمع کی فروزاں ہند میں اسلام کی
باصفا ہو اولیا ہو سیّدی میراں حسینؒ

در پہ آئے ہیں ترے کاسہ لئے تیرے غلام
ان پہ بھی نظرِ عطا ہو سیّدی میراں حسینؒ

ابوالفضل ختلیؒ کے پیارے فیضِ عالم کے رفیق
پیشوائے صوفیا ہو سیّدی میراں حسینؒ

عرس مبارک

عرس مبارک

حضرت میراں حسین زنجانیؒ کے عرس کی کوئی خاص تاریخ مقرر نہیں جیسا کہ عام طور پر دوسرے بزرگانِ دین کے عرسوں کی تاریخیں مقرر ہیں اور ان کے عرس اس تاریخ سے کبھی آگے پیچھے نہیں ہوتے۔ بہرکیف آپ کا عرس مبارک اگست کے آخری ہفتہ اور اتوار کے روز ہوتا ہے۔

عرس کی ابتدا کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ عرس کی ابتدا کب ہوئی اور کس نے کی؟ لیکن اتنا ضرور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ صدیوں سے آپ کا عرس منایا جا رہا ہے۔ تاریخ کی معتبر اور پرانی کتابوں میں آپ کے عرس کا حوالہ ضرور ملتا ہے۔ تحقیقاتِ چشتی اور تاریخ لاہور از کنہیا لال میں لکھا ہے کہ سکھوں کے زمانہ میں آپ کے مزار پر بہت بڑا میلہ لگتا تھا۔

سجادہ نشین سید محمد شاہ اور محمد علی کے عہد سجادہ نشینی میں بھی عرس

بڑے تزک واحتشام کے ساتھ منایا جاتا رہا ہے۔

موجودہ سجادہ نشین سردار علی شاہ ۱۹۲۴ میں سجادہ نشین مقرر ہوئے اور دربار پر اوقاف کا قبضہ ہونے تک وہ عرس کرواتے رہے۔ اسی عرصہ کے دوران قریباً پندرہ سال ان کے چچا سید شفقت علی شاہ بھی ایک عرس کرواتے رہے ہیں اس طرح سال میں دو عرس ہوا کرتے تھے لیکن ۱۹۶۰ء سے اوقاف کا قبضہ ہونے کی وجہ سے ایک ہی عرس بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

عرس کے واسطے ہفتہ واتوار کا دن مقرر کیا جاتا ہے لیکن مقررہ دن کے ایک ہفتہ پہلے ہی دربار کے اردگرد مختلف نوع کی دکانیں لگنا شروع ہو جاتی ہیں اور عرس کے دنوں میں تو دربار کے اردگرد سڑکوں اور گلیوں میں بہت زیادہ رونق ہو جاتی ہے۔

ہفتے کو دو بجے شب عقیدتمند اور شرفاء لاہور حضرت اقدس کو غسل دینے کی غرض سے اکٹھے ہوتے ہیں جب خدام حضرات غسل دینے میں مصروف ہوتے ہیں تو دیگر حضرات آستانہ عالیہ کے سامنے کھڑے ہو کر کلمہ طیبہ کا ذکر کرتے ہیں۔ غسل کے فوراً بعد اراکین بزم میراں ایک جلوس کی شکل میں سہرا لے کر روضہ مبارک کے صدر دروازہ المشہور شافی دروازہ کے سامنے حاضر ہوتے ہیں اور سہرا پڑھتے ہیں اس کے بعد اس سہرے کو دروازے

کے اوپر لٹکا دیا جاتا ہے جو سال بھر لٹکا رہتا ہے۔

صبح کی نماز کے بعد امام صاحب کی زیرِ نگرانی قرآن پاک کا ختم شریف ہوتا ہے۔ ہفتے کے روز باہر میدانی احاطے میں محفل سماع کے لئے سائبان وغیرہ لگائے جاتے ہیں شام کے وقت دربار کے اندر چراغ دان میں چراغ جلائے جاتے ہیں۔ گنبد کے اوپر رنگین بلبوں سے روشنی کی جاتی ہے اور دربار بقعۂ نور بن جاتا ہے۔

عشا کی نماز کے بعد میدانی احاطے میں محفل سماع شروع ہوتی ہے جو رات کے آخری پہر تک جاری رہتی ہے۔ اس محفل کا ہجوم، جوش و خروش اور ایمانی فضا دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ محفل سماع میں قوال عارفانہ کلام پیش کرتے ہیں سینکڑوں طالبانِ حقیقت اور گدائے عشق اپنا کاسہ بھرتے اور اپنی تشنگی بجھاتے ہیں۔

دربار کے اندر نوری دالان میں نعت خوانی کی محفل ہوتی ہے جس میں لاہور کے معزز اور صاحبِ شہرت نعت خوان اپنا کلام سناتے ہیں، صاحب ذوق حضرات بڑے ذوق و شوق سے نعتیہ کلام سنتے ہیں، آخر میں ختم غوثیہ پڑھا جاتا ہے اور حضور رسالت مآب کی شان میں درود و سلام پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد تبرک تقسیم کیا جاتا ہے جس میں عام طور پر حلوہ اور نان ہوتا ہے۔

ہفتے اور اتوار کی درمیانی شب کو سابقہ سجادہ نشین حسب سابق اب بھی

عزیز و اقارب اور معتقدین کے ہمراہ ایک سبز رنگ کا جھنڈا لے کر اپنے گھر سے جلوس کی شکل میں روانہ ہوتے ہیں۔ اس جلوس میں قوال اور بینڈ بھی ساتھ ہوتا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ جلوس چاہ میراں کے بازار سے ہوتا ہوا کھوئی پہ حاضر ہوتا ہے۔ راستے میں عقیدت مند لوگ سجادہ نشین کے سر پر دستاریں باندھتے ہیں۔ کھوئی پر حاضری دینے کے بعد جلوس دربار کی طرف آتا ہے اور دربار کے صدر دروازے پہ ختم ہو جاتا ہے۔ سجادہ نشین صاحب دربار کے اندر داخل ہوتے ہیں اور آستانہ عالیہ کے شمالی دروازے کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں جہاں پر امام صاحب سجادہ صاحب کی لائی ہوئی شیرینی پر ختم شریف پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔ آخر میں سجادہ صاحب مزار اقدس پر سبز رنگ کا غلاف چڑھا کر دعا مانگ کر واپس چلے جاتے ہیں۔

اتوار کے روز صبح نو بجے سے گیارہ بجے تک نوری دالان میں تبلیغی ادارہ زنجانیہ کے زیر اہتمام حضرت میراں حسین زنجانیؒ کی شان میں مشاعرہ ہوتا ہے جس میں بلند پایہ شعرائے کرام اپنا کلام پیش کرتے ہیں۔ مشاعرہ کے بعد نعت خوانی کا ختم شریف ہوتا ہے اور ختم شریف کے بعد عام لنگر تقسیم کیا جاتا ہے۔ جس میں عام طور پر دال اور نان ہوتا ہے اور شام تک تقسیم ہوتا رہتا ہے۔ دربار کے باہر میدانی احاطے میں پھر تقریباً گیارہ بجے محفل سماع شروع ہوتی ہے اور شام تک جاری رہتی ہے اور شام کو عرس ختم ہو جاتا ہے۔

ہر سال سینکڑوں فقراء، درویش اور ملنگ میرانی احاطے میں گروہ در گروہ ڈیرہ لگا کر دربار اقدس پر حاضری دیتے ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے پیر اپنے مریدوں کے ہمراہ آستانہ عالیہ پر حاضر ہوتے ہیں اور روحانی فیض سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

سطور بالا میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی حیثیت محض واقعاتی ہے یعنی یہ بتانا مقصود تھا کہ حضرت میراں حسین زنجانی کا عرس کس طرح منایا جاتا ہے ورنہ جہاں تک اس تقریب اور رسوم کا تعلق ہے جو عرس کے سلسلے میں سرانجام دی جاتی ہیں تو ان میں سے بہت سی اصلاح طلب ہیں اور ان کی افادیت محل نظر ہے۔

صوفی فضل الدین فدا

بحضور حضرت سید میراں حسین زنجانی رح

کل بھی تھے روح مذاق رہبری میراں حسین رح
آج بھی ہیں رہنمائے زندگی میراں حسین رح

آپ جب آئے چمن میں ابر باراں کی طرح
غنچے غنچے کو عطا کی تازگی میراں حسینؒ

آپ نے تفسیر کی جس دم کلام اللہ کی
ہر حقیقت جلوہ ساماں ہو گئی میراں حسینؒ

آپ کا عرس مبارک بزم فردوس نظر
آپ کے روضے پہ رقصاں زندگی میراں حسینؒ

فیض پانے عقل و دانش سے نہ کیونکر مبتدی
علم و حکمت میں ہیں فردِ منتہی میراں حسینؒ

ہر نظر شمع ہدایت ہر نفس نورِ خلوص
پیش دل اسلام کی خدمت رہی میراں حسینؒ

آنکھ گلزارِ شریعت دل طریقت کی بہار
واہ فرزندِ حسینؓ ابن علیؓ میراں حسینؒ

تشنہ کام آیا تھا میں بھی آپ کے دربار میں
بجھ گئی قلب و نظر کی تشنگی میراں حسینؒ

اس قدر ہے بے نوا پر بھی نگاہِ التفات
مستند ہے آپ کی دریا دلی میراں حسینؒ

چاہ میراں

چاہ میراں

چاہ میراں میں ہے بے شک مرقدِ شاہ حسین
اے فلک لیکن کہاں اب باغِ زنجاں دیکھئے

شہر لاہور کی قدیمی آبادی کی مشرقی جانب (جو کسی زمانے میں فصیل کے اندر واقع تھی) یکی دروازے سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر چاہ میراں واقع ہے۔ لاہور کے مشرقی علاقے میں جتنی بھی مضافاتی بستیاں ہیں ان میں سے چاہ میراں کی بستی سب سے تاریخی اور پرانی ہے۔ چاہ میراں کی آبادی میں چند بزرگ ہستیوں کے مرقد ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور مزار حضرت میراں حسین زنجانی کا ہے اور انکے لقب کی وجہ سے اس بستی کا نام چاہ میراں ہے۔

چاہ فارسی میں کنوئیں کو کہتے ہیں اور میراں کا لفظ میر سے مشتق ہے۔ اس لئے چاہ میراں کا مطلب ہوا کہ میراں کا کنواں، میراں کا چاہ یا میراں دی کھوئی

جس کے نام پر یہ آبادی مشہور ہوئی۔ وہ کھوئی کسطرح وجود میں آئی اسکی تفصیل یہ ہے
ہر ولی ہر بزرگ، ہر صوفی یادِ خدا کے لئے تنہائی ڈھونڈتا ہے۔
خلوت کو پسند کرتا ہے تاکہ خلوت اور تنہائی میں دنیا سے الگ بیٹھ کر یادِ خداوندی
میں مشغول رہ سکے۔ یادِ خدا اور اذکارِ خداوندی کے
لئے خلوت اشد ضروری ہے تاکہ عام لوگ اس اللہ والے کی عبادت اور
عشقِ حقیقی میں مداخلت پیدا نہ کر سکیں اس لئے جب حضرت میراں حسین
زنجانیؒ کو بھی تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ عبادت کے لئے خلوت کی ضرورت
پیش آئی تو آپ نے لاہور کی مشرقی جانب آبادی سے دور دریا کے
کنارے کی پُرسکون اور خاموش فضا کو پسند فرمایا۔ تذکرہ نویسوں کا بیان
ہے کہ جس مقام کو آپ نے اپنے قیام کے لئے منتخب فرمایا وہ یہی ہے جہاں
آج کل چاہ خورد یعنی حضرت میراں حسین کی کھوئی موجود ہے۔
حضرت رات اور دن کا بیشتر حصہ اپنی جائے قیام پر ہی گزارتے تھے۔
لیکن شروع شروع میں تین سال تک آپ دن کے وقت تبلیغ دین کیلئے
جاتے رہے۔ اس طرح جب کچھ لوگ ایمان لاکر آپ کے معتقد ہو گئے چنانچہ
جوں جوں آپ کی بزرگی کا چرچا ہوا اور معتقدین کی تعداد میں اضافہ ہوا تو پانی
کی ضرورت بھی بڑھنے لگی۔ تین سال تک تو آپ پانی کی ضرورت دریا سے
پوری کرتے رہے لیکن اس عرصہ کے بعد آپ نے اور آپ کے معتقدین

لئے ایک چھوٹا سا کچا کنواں (خوردی) کھود لیا تاکہ پانی دریا سے لانیکی بجائے اس کنویں سے بآسانی مل سکے چنانچہ ۴۱ سال تک آپ پانی کی ضروریات کو اسی چاہ سے پورا کرتے رہے۔

اس چاہ کے متعلق یہ روایت عام ہے کہ جو مریض آپ کے پاس آتا آپ اسے اس کنویں کا پانی عطا فرما دیتے اور مریض اللہ کے فضل سے شفایاب ہو جاتا۔

طویل عرصے کے بعد مغلیہ دور کے میرزا می ایک شخص نے اس کنویں کو پختہ اینٹوں سے بنوا دیا۔ یہی وہ چاہ خورد ہے جو کھوئی میراں کے نام سے مشہور ہوئی اور آج تک موجود ہے۔

چند سال ہوئے الحاج خواجہ ناصر الدین نے پہلی کھوئی کو اکھیڑ کر جو چھوٹی اینٹوں کی بنی ہوئی تھی از سر نو تعمیر کی ہے اور کھوئی کے ساتھ ایک چھوٹا سا حجرہ بھی بنایا جس میں آج کل ایک خادم رہتا ہے۔

باغ زنجان حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ نے اپنی قیام گاہ سے کچھ فاصلے پر یاد خدا کے لیئے ایک جگہ مخصوص کر لی تھی۔ اس مقام پر آپ نے چند درخت لگائے اس باغ میں اکثر آپ حالت استغراق میں رہتے تھے۔ وفات کے بعد آپ کو اسی باغ میں سپرد خاک کر دیا گیا یہی باغ بعد میں باغ زنجان کے نام سے مشہور ہو گیا۔

سفینۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ حضرت میاں میر صاحب بھی اپنے زمانے میں

کبھی کبھا باغ زنجان میں آیا کرتے تھے اور اس کی پرسکون فضا میں اللہ کی یاد سے اپنی پیاس بجھاتے تھے۔

تاریخی دور

جوں جوں وقت گزرا تاریخ لاہور کے ساتھ اس سرزمین نے بھی بڑے تاریخی ادوار دیکھے۔

۱۱۸۶ء سے ۱۵۲۴ء تک لاہور شاہان غوریہ خاندان غلاماں گکھڑوں تیموری حملوں اور لودھیوں کے زیر اثر رہا اس دوران میں سے لے کر کھوتی والے اس مقام کے ارد گرد کوئی خاص آبادی نہ تھی اور دور دور تک کھیت اور بے آباد علاقہ نظر آتا تھا ۱۵۵۴ء میں جب ہمایوں ہندوستان کا بادشاہ بنا تو لاہور جس کے حالات اب تک تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے تاریخ کا روشن باب بننے لگا۔ اگرچہ اکبر نے آگرہ کو دارالخلافہ قرار دے دیا لیکن ۱۵۸۴ء سے ۱۵۹۸ء تک وہ اکثر و بیشتر لاہور ہی میں رہا۔ اس نے تمام شہر کے گرد ایک مضبوط فصیل بنوائی جو ۱۸۹۲ء تک قائم رہی مگر بعد میں انگریزی دور میں گرا دی گئی۔

لاہور کے مشہور مورخ محمد دین فوق مرحوم نے اپنی کتاب "لاہور عہد مغلیہ میں" لکھا ہے کہ اکبر کے زمانے میں اس علاقے میں صرف میراں دی کھوئی اور نو لکھا باغ موجود تھے ان دونوں آثار قدیمہ کے علاوہ یہاں کوئی آبادی نہ تھی۔

نولکھا باغ

دیکھنا ہو شوکت ویرانۂ دنیا اگر
باغ نولکھا کو وقفِ چرخِ گرداں دیکھئے

نولکھا باغ[1] ایک بہت بڑا باغ تھا جو ہمایوں کے بھائی مرزا کامران نے بنوایا تھا۔ آج جو آبادیاں مثلاً باغ کا چھو پورہ، بھارت نگر، سلطان پورہ چاہ میراں اور وسن پورہ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ یہ سب اسی برباد شدہ باغ کی جگہ پر واقع ہیں۔ اس سے اس باغ کی وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

نولکھا باغ کی تعمیر و وسعت کے وقت باغ زنجان بھی اسی میں مدغم کر دیا گیا اور حضرت میراں حسین زنجانیؒ کے روضہ مبارک کے گرد چھوٹی سی چار دیواری بنا دی گئی۔ سکھ دورِ حکومت میں اس باغ کو تباہ کر دیا گیا۔ دیواریں اس کی خشت فروشوں نے گرائیں اور اینٹیں بیچ بیچ کر پیٹ کا دوزخ بھرتے رہے۔ باغ کی عمارتوں میں جس قدر قیمتی پتھر تھا وہ راجہ رنجیت سنگھ کام میں لے آیا۔ زمینداروں نے زمین خالی دیکھ کر زراعت شروع کر دی اور آبپاشی کے لئے کنوئیں بھی بنوائے۔

---

[1] لاہور عہد مغلیہ میں صفحہ ۳۲ از محمد الدین فوقؔ

نولکھا باغ بڑا وسیع باغ تھا جس میں مختلف پھلوں کے درخت سلسلہ بسلسلہ اگلائے گئے تھے جن میں امرود، آڑو، سنگترہ، جامن، انار، لوکاٹ آم اور مٹھا وغیرہ کے درخت تھے۔

شاہجہانی دور

شاہجہانی دور میں لاہور کو بہت زیادہ رونق نصیب ہوئی۔ اسی دور میں لاہور کی آبادی اور رونق میں اضافہ اور ترقی ہوئی۔ اسی زمانے میں لاہور کی تاریخ ایک نئے باب میں داخل ہوئی۔ اس دور میں چاہ میراں میں دو یادگاریں بنائی گئیں۔

باغ شاہ بلاول

شاہ بلاول سلسلہ قادریہ کے بلندپایہ بزرگ تھے اور شاہجہان ان کا بہت زیادہ معتقد تھا۔ چنانچہ شاہجہان نے ان کے لئے ایک باغ بنوایا جس کا محل وقوع کوٹ خواجہ سعید کے متصل علاقہ بتایا جاتا ہے جہاں مہاراجہ شیر سنگھ کو قتل کیا گیا تھا۔

شاہ بلاول کا مزار بھی وہاں تھا جہاں مہاراجہ شیر سنگھ قتل کئے گئے تھے۔ اب وہاں شیشم کے درخت کے نیچے چھوٹی سی قبرستان کے طور پر موجود ہے۔

منڈی پرویز

چاہ میراں سے تھوڑے فاصلے پر جانب مشرق شہزادہ پرویز ابن جہانگیر نے ایک منڈی آباد کی

تھی اس نے ایک بازار بیچ اور حویلی عالی شان بنوائی۔ انتقال کے بعد اسے اسی جگہ دفنایا گیا لیکن آج کل صرف ایک گنبد نظر آتا ہے جس میں شہزادہ پرویز کی قبر ہے اور وہ حویلی و عالی شان منڈوی جو اس نے آباد کی تھی اس کا کہیں نشان نہیں ملتا۔

عالمگیری عہد کی یاد

اس علاقے میں عالمگیری عہد کی مشہور یادگار ایک بند تھا[1] جو عالمگیر نے ۱۶۶۱ء سنہ میں لاہور کو راوی دریا کی دست برد سے بچانے کے لئے بنوایا تھا اس بند کا ذکر اردو اور انگریزی تاریخوں میں کہیں کہیں نظر سے گزرتا ہے۔ خلاصۃ التواریخ مصنفہ منشی سبحان رائے بٹالوی نے ذکر کیا وہ لکھتا ہے کہ عالمگیر نے اپنے عہد میں دریائے راوی کی جانب شہر کی عمارات اور باغات کو سیلاب کی طغیانیوں سے بچانے کے لئے ایک مضبوط بند تعمیر کروایا۔ یہ بند بڑے خوبصورت انداز میں بنایا گیا تھا اس کے کناروں پر تالاب کی سیڑھیوں کی طرح نہانے اور سیر و تفریح کے لئے سیڑھیاں بنائی گئی تھیں اور امراء نے اس بند کے قریب خوشنما محلات اور دلفریب مناظر سیر کے لئے تعمیر کیے تھے اس زمانہ میں دریا کے کنارے پر کیا کچھ رونق نہ ہوگی مگر آہ! آج وہ سب باتیں خواب خیال ہیں۔ خلاصۃ التواریخ کا مؤلف اس بند کا طول دو کوس بتاتا ہے

---

[1] لاہور عہد مغلیہ میں صفحہ ۲۰ از محمد الدین فوق

محمد الدین فوق نے ۱۹۰۲ء میں لکھا ہے کہ اس بند کے آثار مصری شاہ اور چاہ میراں کے درمیان اب بھی ملتے ہیں۔ ان کھنڈرات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بند ریلوے سٹیشن اور لنڈا بازار کے درمیان سے چاہ میراں کی طرف نکل جاتا تھا اور حضرت میراں حسینؒ کی کھوئی کے بالکل پاس سے گزر کر آگے جاتا تھا۔

حال ہی میں (مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۶۸ء کو) کھوئی کے متصلہ بازار میں پانی کے نل لگوانے کے لئے زمین کھودی گئی تو راقم الحروف نے اس بند کے آثار قدیمہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

مغلیہ دور کے آخری ایام

مغلیہ دور کے آخری ایام میں جب نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے لاہور کی رونق کو تہ و بالا کیا تو اس وقت نولکھا باغ کو بھی بہت نقصان پہنچا اور بعد میں سکھوں کے عہد حکومت میں نولکھا باغ بالکل تباہ و برباد ہو گیا۔ تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ باغ کی تباہی کے بعد یہ علاقہ ویرانیوں کا شکار ہو گیا اور لوگ اِدھر ڈاکہ زنی وغیرہ کرنے لگے۔

آغاز آبادی

مغلیہ دور کے آخری ایام میں نولکھا باغ کی تباہی کے بعد کھوئی کے اردگرد چند ایک جھونپڑیوں کی صورت میں آبادی قائم ہو گئی تھی۔

"لاہور عہد مغلیہ" نامی کتاب میں درج ہے کہ بندر عالمگیری کی وجہ سے جب دریا چاہ میراں کے علاقے سے ہٹ گیا تو یہ علاقہ خشک ہو گیا اور رفتہ رفتہ ایک بڑے جنگل میں تبدیل ہو گیا جس میں اکثر درندے رہنے لگے۔۔۔۔ بچادھے (جنگلی لوگ) لاہور اور مضافات پر ڈاکہ زنی کر کے اس بن میں چھپ جاتے۔ چنانچہ حاکم لاہور لہنا سنگھ نے ۱۷۷۸ء میں اپنے مختار کار صاحب سنگھ زرگر کو حکم دیا کہ اس علاقے کو آباد کرے۔ چنانچہ اس نے میراں کی چاہ خورد کے قریب ایک قلعہ نما حویلی بنوائی اور اس میں شہر سے چند کسانوں کو لا کر بسایا گیا ان کو اردگرد کی زمینیں دی گئیں اور دو سال تک محصول معاف کر دیا اس طرح وہ آبادی چاہ سے متصل ہونے کی وجہ سے چاہ میراں کے نام سے مشہور ہوئی اور آہستہ آہستہ وہ آبادی ایک موضع کی شکل اختیار کر گئی۔

میر صاحب نامی ایک شخص نے چاہ میراں کی از سر نو مرمت کی اور چرخ داری لگا دی تاکہ لوگ پانی کی ضرورت اس سے پوری کریں۔

سکھوں کا دور

رنجیت سنگھ جب لاہور کا حاکم بنا تو لاہور پر پھر کچھ رونق آنا شروع ہوئی لیکن افسوس کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے شاہان سلف کی عمارات کے ساتھ وہ سلوک نہ کیا جو بادشاہوں کے شایان شان ہوتا ہے۔ اس کے زمانے میں مسلمان سلاطین

کے آثار قدیمہ کو بہت نقصان پہنچایا گیا۔ رنجیت سنگھ نے مغلیہ دور کی تمام عمارتوں سے قیمتی پتھر اتروا کر ان عمارتوں کو خاک میں ملا دیا۔ سکھوں کے دور میں موضع چاہ میراں کی آبادی میں کافی اضافہ ہوا اور اس کے ارد گرد بہت سے باغ لگوائے جن سے چاہ میراں کی رونق دوبالا ہو گئی۔

باغ راجہ تیجا سنگھ چاہ میراں سے شمال مشرق اور مقبرہ پرویز سے شمال کی جانب یہ باغ واقع تھا۔ راجہ تیجا سنگھ جمعدار خوشحال سنگھ کا بھائی تھا۔ اس نے بڑے شوق اور صرف کثیر سے یہ باغ تعمیر کروایا جو نہایت وسیع اور کئی عالی شان مکانات سے گھرا ہوا تھا۔ چار دیواری بلند اور مستحکم تھی جو ۱۸۸۴ء تک برابر قائم رہی۔ اس میں بے شمار پھل دار درخت تھے لیکن بعد میں صرف آموں کے درخت ہی رہ گئے۔

باغ کے اندر بہت سی خوبصورت اور دیدہ زیب نقوش سے آراستہ پختہ عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ اس کی بارہ دری بھی نہایت پرشکوہ تھی۔ ایک قدیم لنگر خانہ بالکل شکستہ اور بغیر چھت کے تھا۔ بارہ دری کلاں کے سامنے ایک حوض نما تالاب تھا۔

۱۹۶۴ء میں جب حکومت پاکستان نے یہ باغ سکھ ملکیت ہونے کی وجہ سے جس شخص کو الاٹ کیا اس نے آموں کے تمام درخت کٹوا کر بیچ دیئے

اور باغ ختم ہو گیا۔ اب صرف بارہ دری کلاں تالاب ایک اور شکستہ قدیم مکان باغ کا کنواں اور اس پر بڑ کا درخت موجود ہیں۔ باغ کی زمین پر کھیت بنا دیئے گئے ہیں۔ چاہ میراں کی بڑھتی ہوئی آبادی بھی بارہ دری کلاں سے جا ملی ہے عنقریب باغ کی تمام زمین پر آبادی ہو جائے گی اور پرانے تمام نشانات مٹ جائیں گے۔

راجہ دینا ناتھ

چاہ میراں کے علاقے میں راجہ دینا ناتھ نے دو باغ لگوائے۔ ایک باغ چاہ میراں سے جنوب مشرقی جانب شالامار کے پرانے راستے پومز اور گھوڑے شاہ کے قریب تعمیر کروایا تھا۔ یہ باغ بڑا عالی شان تھا جنوب میں دیوار تیرہ چودہ فٹ اونچی تھی۔ باغ کے اندر بارہ دریاں، چبوترے اور حوض ایسے خوبصورت تھے کہ یہ باغ اپنی سرسبزی و شادابی اور خوبی عمارت میں بے نظیر تصور کیا جاتا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد اس باغ پر ایک مائی نے قبضہ کر لیا اور مائی والا باغ کے نام سے مشہور رہا۔ چار سال قبل ایک شخص نے یہ باغ اپنے نام الاٹ کروا لیا ۱۹۶۷ء میں اس باغ کے درخت کٹوا کر فروخت کر دیئے اب اس کی اراضی پر مکان تعمیر ہو گئے ہیں چاہ میراں کی بڑھتی ہوئی آبادی بھی اس آبادی سے جا ملی ہے۔

راقم الحروف بچپن سے لے کر جوانی تک فارغ اوقات میں اسی باغ

ہیں مطالعہ اور سیر کے لئے جاتا رہا ہے۔ اب نہ وہ باغ رہا اور نہ وہ جوانی کی سیر۔ رہے ہے نام اللہ کا۔

فیض باغ المشہور سکھوں والا باغ

یہ باغ چاہ میراں سے متصل مغربی جانب

ایک چاردیواری کے اندر واقع تھا۔ اسی باغ کے مشرق رویہ ایک اونچی ٹیکری پہ دربار حضرت میراں حسین واقع ہے۔ اس باغ کی تاریخ یوں ہے کہ سکھوں کے زمانے میں ایک درویش سائیں ہادی شاہ کے نام سے مشہور تھے۔ راجہ دینا ناتھ ان کا بڑا معتقد تھا چنانچہ راجہ دینا ناتھ نے ان کیلئے چاہ میراں کے علاقے میں یہ باغ لگوایا۔ اس باغ میں سائیں ہادی شاہ کی رہائش کے لئے پختہ مکان بھی بنوائے اور باغ کی چاردیواری بھی پختہ بنوائی۔ راجہ دینا ناتھ ہر دوسرے چوتھے دن سائیں ہادی شاہ صاحب کو سلام کرنے آیا کرتا تھا چونکہ امیر آدمی تھا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار کا رکن تھا۔ اس کی دیکھا دیکھی اور بہت سے لوگ یہاں آنے لگے۔

راجہ نے فیضان عام پہنچانے کے لئے اور اس خیال سے بھی کہ ان کو اپنے اعتقاد کے مطابق یہاں سے فیض پہنچتا رہتا تھا۔ اس باغ کا نام فیض باغ رکھا سائیں ہادی شاہ کی قبر بھی اسی باغ میں بڑے کے ایک گھمانڈیل درخت کے نیچے تھی۔ اس کے ساتھ پختہ مکان بھی تھا لیکن آج وہاں کوئی

قبر کا نشان نہیں ملتا چنانچہ بعض بزرگوں سے معلوم ہوا ہے کہ سائیں ہادی شاہ کی قبر وہ ہے جو آج سے دس سال قبل چاہ تاج الدین کے غرب رویہ کھیتوں میں درختوں کے جھنڈ کے درمیان نظر آتی تھی۔ اب اس قبر کے ارد گرد سعید پارک کے نام سے ایک محلہ آباد ہو چکا ہے۔ اس محلے میں ایک چھوٹی سی مسجد کے صحن میں یہ قبر موجود ہے

بکی دروازہ کے باہر سے جو سڑک ریلوے پل کے نیچے سے ہو کر چاہ میراں کو آتی تھی اور چاہ میراں سے سیدھی شالامار کو نکل جاتی تھی۔ اس کا نام سڑک نواب میاں خاں تھا۔ یہ سڑک باغ کی شمالی دیوار کے ساتھ سے گزرتی تھی۔ یہی وہ سڑک ہے جس کا نام بعد میں چاہ میراں روڈ ہوا۔

ہادی شاہ نے اپنی پہلی بیوی عالم بی بی کے مرنے کے بعد دوسرا نکاح پناہ بی بی نامی خاتون سے کیا جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو ایک شخص عالم شاہ نامی سے بیاہی گئی۔ پھر اس خاتون کے بطن سے عالم شاہ کی جو بیٹی پیدا ہوئی اس کا نکاح بھاٹی دروازہ کے ایک شخص سے ہوا۔ عالم شاہ کے مرنے کے بعد اس کے داماد اور اس کی لڑکی نے یہ باغ اس کی زمین اور مکانات گردت سنگھ، میاں سنگھ اور اس کے بیٹے منور سنگھ کے ہاتھوں فروخت کر دیئے جو قیام پاکستان تک ان کے قبضے میں رہے کافی عرصہ انہوں نے خود باغ کی حفاظت کی اور اس سے فائدہ اٹھایا۔ اس

کے بعد آہستہ آہستہ اس باغ کے درخت کاٹ دیئے گئے اور کھیت بنا دئے گئے۔ صرف چند درخت جامن، آم اور شہتوت کے کھیتوں کے کنارے پر رہنے دیئے گئے جن میں سے ایک چھوٹا سا اناروں کا باغ بھی تھا۔

۱۹۳۸ء میں انہوں نے اس باغ کی اراضی کو دو حصوں میں تقسیم کر کے کاشتکاری کے لیے تاج دین اور فضل نامی اشخاص کو ٹھیکے پر دے دیا۔ مہر فضل، مہر محمد شریف کا والد تھا۔ قیام پاکستان تک ٹھیکیدار حضرات ان سکھوں کو ٹھیکہ کی رقم دیتے رہے لیکن پھر یہ رقم حکومت پاکستان کو ادا کرتے رہے۔

یہ باغ ایک پختہ چار دیواری کے اندر واقع تھا۔ اس کی شمالی دیوار چاہ میراں روڈ کے ساتھ ساتھ جاتی تھی۔ جنوبی دیوار موجودہ پچاس فٹ چوڑی سڑک متصلہ بی بی احاطہ کے ساتھ واقع تھی۔ غربی دیوار ڈیرہ چاہ کلاں "تاج دین کے عقب میں تھی جہاں آج کل ۴۰ فٹ چوڑا بازار ہے شرقی دیوار درگاہ حضرت میراں حسین زنجانیؒ کے عقب سے ہوتی ہوئی شمالی دیوار میں جا ملتی تھی۔ اس چار دیواری کے چاروں کونوں پر چار بڑے برج بنے ہوئے تھے۔ ڈیرہ مہر محمد شریف کے چاہ کلاں کو حمام والا کنواں کہتے تھے جو آج سے دس سال قبل بند کر دیا گیا۔ اس کنویں کے ساتھ ہی ٹاہلی کا ایک بہت بڑا درخت تھا جو اب بھی موجود ہے اس کنویں

سے شمالی جانب اس باغ میں ایک پختہ عالی شان کوٹھی اور بارہ دری تھی ۱۹۱۸ء میں اس مکان اور بارہ دری کو سکھوں نے گرا کر اس کی اینٹیں وغیرہ فروخت کر دیں۔ اس باغ میں دوسرا پختہ مکان اور چاہ کلاں مغربی جانب واقع تھا جو کافی عرصہ تاج دین ٹھیکیدار کے قبضے میں رہا۔ اس پختہ مکان کے ساتھ بھی شرق رویہ ایک بہت بڑا بڑ کا درخت تھا۔ ۱۹۶۵ء میں اس پختہ مکان کو گرا دیا گیا اور بڑ کا درخت بھی کاٹ دیا گیا۔ اب وہاں ایک عبادتگاہ رحمانیہ مسجد کے نام سے تعمیر ہو گئی ہے۔

۱۹۶۳ء میں حکومت نے اس باغ کی زمین ایک شخص سعید نامی کے نام الاٹ کر دی۔ اس نے تمام درخت جو کھیتوں کے کناروں پر تھے کٹوا کر زمین فروخت کر دی اور اب اس جگہ عمارات تعمیر ہو گئی ہیں اور ہر طرف آبادی ہی آبادی نظر آتی ہے۔ اناروں والے باغ کی جگہ نیلم سینما بن گیا ہے۔ دربار حضرت میراں حسین کے شمالی اور غربی جانب کی آبادی کا نام میراں حسین پارک ہے۔ دربار کے جنوب رویہ کی آبادی نہایت قدیمی ہے جس کا نام محلہ میراں حسین ہے۔ راقم الحروف کا مکان بھی اسی قدیمی آبادی میں ہے جو ۱۹۳۹ء میں تعمیر کیا گیا تھا

وہ چاہ میراں جو پہلے کبھی ایک موضع کی شکل میں تھی۔ پچھلے چند سال سے اس کی آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے اور دوسری آبادیوں

سے مل کر شہر کی آبادی کا جزو بن گئی ہے ۔ اب نہ اردگرد کوئی باغ ہے اور نہ کوئی کھیت ۔

چاہ میراں کے دیگر مزارات

چاہ میراں میں دربار حضرت میراں حسین کے علاوہ بھی چند اولیاء اللہ کے مزارات ہیں جن میں سے چند کا مختصر حال ذیل میں درج ہے ۔

مکھن شاہ

دربار حضرت میراں حسین سے تھوڑے سے فاصلے پر شرق رویہ قبر مبارک مکھن شاہ ایک بڑے چبوترے پر واقع ہے جو زمین سے تین فٹ اونچا ہے اس چبوترے کے شرق رویہ اور جنوب رویہ قدآدم دیوار ہے ۔ شمالی رویہ پختہ مکان امام مسجد کی سکونت کے لئے ہے چبوترے پر تین قبور پختہ ایک رو میں ہیں جن میں سے ایک قبر مکھن شاہ کی ہے ۔ اسی چبوترے پر مکھن شاہ کی پائنتی جانب پختہ قبر مہر معراج دین کی ہے جو اپنے زمانے میں بہت نیک انسان تھے اسی چبوترے پر ایک درخت " ون " اور ایک گوندی اور چند خام قبریں بھی ہیں چبوترے کے غرب رویہ ایک مسجد ہے حال ہی میں اپریل سنہ ۱۹۶۹ء میں اس مسجد کی پرانی عمارت کو منہدم کر کے وسیع بنیادوں پر ایک عالی شان مسجد تعمیر کی گئی ہے ۔

مسجد کے باہر جنوب رویہ لکھن شاہ کا قبرستان ہے جو تقریباً تین کنال زمین پر محیط ہے۔ اس قبرستان میں اکثر قبور خام مٹی کی ہیں ان میں سے زیادہ تر قبریں کبو خاندان کی ہیں۔ سید ارشاد علی شاہ کے مکان کی غربی پشت کی دیوار کے شمالی کونے پر ایک قبر چھوڑ کر میرے محسن دوست محمد رفیق کی آخری قیام گاہ ہے جو ۱۹ ر جنوری ۱۹۶۹ کی صبح کو سوموار کے دن عین عالم شباب میں ۲۵ سال کی عمر پا کر فوت ہوئے

اس مسجد اور قبرستان کے سلسلے میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ آج سے ۶۰ سال قبل ایک سائیں جھنڈو نامی لکھن شاہ کی قبر پر بطور خادم سکونت پذیر ہوا۔ اس نے قبر لکھن شاہ کے ارد گرد بوٹے لگائے اس کے کہنے پر یہاں کے زمین داروں نے ایک کنواں کھدوا دیا۔ اس کے بعد مسجد بھی تعمیر کر دی گئی۔ سائیں جھنڈو کی قبر بھی لکھن شاہ کی قبر کے ساتھ واقع ہے۔ اس کے بعد اس قبرستان میں قبریں بننا شروع ہو گئیں ورنہ پہلے یہاں کوئی مستقل قبرستان نہیں تھا۔

مزار پیر اجاگر شاہ چاہ میراں کے قدیم چوک مکان بابا حضوری شاہ سے شرق رویہ کوٹ خواجہ سعید کو جاتے ہوئے دو فرلانگ کے فاصلے پر سڑک کے شمالی کنارے مزار حضرت پیر اجاگر شاہ واقع ہے۔ اس مزار کے ساتھ ایک قبرستان بھی ہے جو تقریباً

سم بیگہ اراضی پر محیط ہے۔ مشرق اور جنوب رویہ سڑک کے کنارے قد آدم چار دیواری اسی قبرستان کی ہے۔ شمال اور غرب رویہ مکانات کی عقبی دیواریں ہیں۔ سڑک کے کنارے جنوبی دیوار میں ایک دروازہ آمد و رفت کے لئے ہے۔ دو سال قبل یہ دیواریں نہیں تھیں۔ دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی غرب رویہ ڈیڑھ قد آدم بلند سفید چار دیواری کے اندر اجاگر شاہ کی قبر ہے جو ایک فٹ بلند چبوترے پر واقع ہے۔ تعویذ مبارک کے چاروں کونوں پر چار فٹ اونچے گول ستون بنے ہوئے ہیں جن پر پختہ چھت ہے جو صرف تعویذ مبارک پر ہی سایہ کرتی ہے۔ سرہانے بڑ کا ایک بہت بڑا درخت ہے۔

حال پیر اجاگر شاہ کا یوں بیان کیا جاتا ہے کہ سکھوں کے زمانہ میں راجہ دینا ناتھ نے اپنے باغ (یعنی باغ المشہور سکھوں والا باغ) کو سیراب کرنے کے لئے ایک چھوٹی سی نہر بنانا شروع کی جو سا لقہ حکمت خشت سے شروع کر کے باغ تک کھودی گئی —— نہر کھودنے کے بعد اس میں پانی چھوڑا گیا۔ جب وہ پانی اس جگہ پر پہنچا جہاں اجاگر شاہ کا مزار ہے تو وہ پانی زمین میں سمانا شروع ہو گیا۔ ۲۴ گھنٹے تک وہ پانی زمین ہی میں سماتا رہا اور بالکل آگے پہنچنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ سکھوں نے دیکھا جہاں پانی سماتا ہے اس کے

ساتھ ایک کیکر کے درخت کے نیچے زمین کا کچھ حصہ عام سطح زمین
سے ذرا ابھرا ہُوا معلوم ہوا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ یہاں پر ضرور
کسی اللہ کے بندے کی قبر ہے۔ چنانچہ سکھوں نے وہاں منت مانی
کہ" اے اللہ کے ولی ایک مرتبہ ہمارا پانی یہاں
سے ہمارے باغ تک پہنچ جائے اس کے
بعد پھر ہم اس نہر کو کسی دوسری طرف
سے گزار دیں گے"

چنانچہ ان کا منت مانگنا تھا کہ پانی نے آگے بہنا شروع کر دیا اور
فوراً باغ تک پہنچ گیا۔ پھر سکھوں نے باغ کو سیراب کرنے کے
بعد اس پہلی نہر کو بند کر کے کسی اور طرف سے نہر نکال لی اور وہاں پر
ایک پختہ مزار بنا دیا جو اجاگر شاہ کے نام سے مشہور ہوُا۔ مفصل شجرہ
تو معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہ ولی شاہ مقیم کے خاندان
سے تعلق رکھتے ہیں۔

مزار کے شرق رویہ دو مکان پختہ فقرا کے رہنے کے ملتے ہیں۔ مزار
کے شمال رویہ قبرستان ہے۔ اس مزار کے احاطہ میں چند درخت بھی ہیں
قبرستان میں اکثر قبریں خام ہیں۔ اس مزار پر سالانہ میلہ بھی لگتا ہے۔

ماخذ کتاب

اس کتاب کی تحریر و تدوین میں سب سے زیادہ دو قلمی کتب یعنی ملفوظات قاسمیہ اور اور سفینۃ الاخبار سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی کتابوں سے بھی تاریخی تحقیق و تصدیق کیلئے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کتابوں کی فہرست درج ذیل ہے

کتاب	مصنف
ملفوظات قاسمیہ	سید قاسم زنجانی
سفینۃ الاخبار	سید محمد بڈھا زنجانی
شجرہ ساداتِ زنجانیہ	سید محمد یوسف زنجانی
ثمرات القدس	لعل بیگ
سفینۃ اولیاء	دارا شکوہ
تحقیقات چشتی	مولوی نور احمد چشتی
تاریخ ایران قدیم	غلام سرور
تاریخ ایران	میلکم جان
تذکرۃ الاولیاء	حضرت شیخ عطار
انوار اصفیاء	ترجمہ شیخ غلام علی اینڈ سنز
تاریخ پنجاب	جج عبد اللطیف
تاریخ سیالکوٹ	رشید نیاز
سیالکوٹ	عبد الصمد
ہسٹری آف لاہور	جج عبد اللطیف
تاریخ لاہور	کنہیا لال

کتاب	مصنف
حدیقۃ الاولیاء	مولوی غلام سرور
مآثر لاہور	محمد الدین فوق
مآثر لاہور	سید ہاشمی فرید آبادی
لاہور نمبر نقوش	ادارہ فروغ اردو لاہور
رسالہ حقیقت اسلام گنج بخش نمبر ۱۹۳۶ء پیسکو لمیٹڈ لاہور	
یاد رفتگان	محمد الدین فوق
بزرگان لاہور	پیر غلام دستگیر نامی
دعوتِ اسلام	ڈاکٹر آرنلڈ
بزم صوفیا	صباح الدین عبدالرحمان
فوائد الفوائد	حضرت نظام الدین اولیاء، تالیف حسن
لاہور عہد مغلیہ میں	محمد الدین فوق
دس ولی	سید بشیر احمد سعدی
جنیدِ بغداد	ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر، ترجمہ۔ محمد کاظم
تاریخ جلیلہ	پیر غلام دستگیر نامی
داتا گنج بخشؒ	محمد الدین فوق
کشف المحجوب	داتا گنج بخشؒ، ترجمہ۔ مولوی فیروز الدینؒ
تاریخ اسلام	مرتضیٰ احمد خان

اب ہم اس مقدس ہستی کا تذکرہ ختم کرتے ہیں جس کے فیض روحانی نے صنم کدہ لاہور کو توحید کی نورانی کرنوں سے منور کیا۔ اس کتاب میں بعض واقعات ایسے بھی درج کیے گئے ہیں جن کا براہ راست حضرت میراں حسین زنجانیؒ سے تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن یہ تذکرہ صرف حضرت میراں حسین زنجانیؒ کی شخصیت کا نہیں بلکہ ان کے عہد ان کی تعلیمات اور اس کے اثرات سب پر محیط ہیں۔ اس لئے میں نے مناسب یہی سمجھا کہ ہر وہ چیز یا واقعہ جس کا کسی نہ کسی نوعیت سے حضرت میراں حسین سے تعلق ہے بیان کر دیا جائے تاکہ کتاب زیادہ سے زیادہ جامع ہو جائے۔ سجادہ نشینوں کے حالات اور تاریخ چاہ میراں کے بہت سے واقعات جو اب تک لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہیں صفحۂ قرطاس پر منتقل ہو جائیں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ سن رسیدہ لوگ جو چراغ سحری ہیں اگر دنیا سے رخصت ہو گئے تو ان روایات کا سنانے والا بھی کوئی نہ رہے گا اور یہ واقعات ان کے ساتھ قبروں میں دفن ہو جائیں گے۔ چنانچہ میں ان بزرگوں سے ملا اور ان کے بیان کردہ واقعات

ترتیب دے کر اس کتاب میں درج کر دیئے۔ میں اصرار نہیں کرتا کہ تمام واقعات سو فی صد درست ہیں اور یہ ساری روایات بعینہٖ قابل قبول ہیں لیکن میں نے اپنی امکانی حد تک کوشش ضرور کی ہے کہ روایات خواہ زبانی ہوں یا بعض نایاب اور قلمی کتابوں سے اخذ کردہ ایسی نہ ہوں جنہیں خلاف عقل قرار دیا جائے۔ تلاش و تحقیق کا میدان کبھی محدود نہیں رہا اور تاریخ و سیرت میں کبھی کوئی بات حرف آخر نہیں ہوتی۔ بہرحال میری کوشش یہی تھی کہ معروف واقعات جہاں تک مل سکیں کتاب میں درج کر دیئے جائیں تاکہ آنے والی نسلیں ان کا مطالعہ کر کے اپنے ایمانوں کو تازہ کر سکیں۔

عالم حسین

تعارف

مشفق استاد و عظیم شاعر

۱۵ راگست ۱۹۴۷ء میں جب ہماری محبوب مملکتِ خداداد پاکستان معرضِ وجود میں آئی تو سرزمین ہند پر ایک خونی انقلاب برپا ہوا۔ بھارت کے ہندوؤں اور سکھوں نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا مسلمانوں کے گھر جلائے، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں تک کو نہایت بزدلانہ و بہیمانہ طرح سے ذبح کر ڈالا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں مجروح و مظلوم مسلمان بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔

مہاجرین کے اس المناک سیلاب میں جہاں ہزاروں اینٹ پتھر بہہ کر آئے وہاں کچھ نادر جواہرات بھی آ گئے ہیں۔ انہی میں سے ایک تابندہ و درخشندہ

شخصیت ذوقی مظفر نگری ہیں۔

آپ کا اسمِ گرامی "محمود الحسن" اور تخلص "ذوقی" ہے۔ ملک الشعراء وخاقانی ہند استادِ شہ شیخ محمد ابراہیم ذوق کے حقیقی بیٹے مولانا محمد اسمٰعیل فوقی کے نواسے اور مظفر نگر (یو۔پی) کے ایک متمول سوداگر حافظ محمد عمر صدیقی مرحوم کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ ۱۵ر جنوری ۱۹۲۱ء کو اپنے آبائی شہر مظفر نگر میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم و تربیت بھی وہیں حاصل کی۔ دنیاوی علوم و فنون کے قابل فخر و مشفق معلم ہونے کے علاوہ کلام اللہ کے حافظ اور خوش الحان قاری بھی ہیں۔

عنفوانِ شباب ہی سے شوق شعر گوئی ہے۔ نغز گو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ فن عروض و فصاحت میں مہارتِ تامہ رکھتے ہیں۔ ان کے اشعار خلوصِ جذبات و رفعتِ خیال پرانی زبان اور جدید افکار کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ مخلص ناقد۔ بیباک صحافی اور خوش طبیعت و با مذاق دوست ہیں لیکن غیرت خودداری اور اصول کے منافی بڑے سے بڑے آدمی اور اپنے عظیم ترین مفاد کو بھی ٹھکرا دیتے ہیں جیسا کہ آپ کے اس شعر سے ظاہر ہے ؎

ذوقی کسی کے پاؤں پہ کیونکر جھکے جبیں
توہین بندگی ہے شکستِ اصول ہے

آپ کے وسیلئے علوم و فنون سے پاک و ہند میں سینکڑوں تشنگانِ

علم و ادب سیراب ہو رہے ہیں۔ آپ کی تنہا شخصیت پارٹی بازی سے بے نیاز خود ایک انجمن کی حیثیت رکھتی ہے۔

اپنی تکالیف کا اظہار اس لئے نہیں کرتے کہ اس سے سننے والوں کو تکلیف ہو گی۔ حضرت بابا فخرالدین میراں حسین شاہ زنجانیؒ کے نزدیکی محلہ تبرآب احاطہ لاہور میں ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں رہائش پذیر ہیں۔ کسی دوست نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ ذوقی صاحب آپ کی نشست کے لئے کوئی بڑا مکان یا فراخ جگہ ہونی چاہیئے۔ جواباً یہ شعر سنایا اور خاموش ہو گئے

ایک وہ بھی ہیں نہیں کوئی ٹھکانا جن کا
میرا گھر جنت رضوان نہ سہی ہے تو سہی

ادب برائے زندگی اور زندگی برائے حق کا نظریہ روحِ روانِ فکر و فن ہے۔" توحید و رسالتؐ کے بعد انسان دوستی کو عزیز رکھتے ہیں۔ اتحاد بین المسلمین کا جذبہ لے کر ہر مکتبۂ فکر اور ہر فرقے کی محافل میں شریک ہو کر اپنی صحت مند منظومات اور تقاریر کے ذریعے خدمت ملک و قوم انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی تازہ ترین منقبت جو حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ کی شان والا صفات میں ہے درج ذیل ہے:۔

فصیح الکلام قاری ذوقی مظفّرنگری

"نذرِ عقیدت"

(حضرت سیّد فخرالدّین میراں حسین زنجانیؒ)

دین بھی ایمان بھی پیغام فخرالدینؒ کا
فخر کے لائق ہے اک اک کام فخرالدینؒ کا

نشۂ توحید میں بے خود ہیں رندانِ خودی
کس قدر مسرور کن ہے جام فخرالدینؒ کا

جستجوئے حق میں فرمایا جو آغازِ سفر
منزلِ دین پر ہوا انجام فخرالدینؒ کا

اللہ اللہ جگمگا اٹھے جبینِ زندگی
نورِ بارِ آگہی ہے کام فخرالدینؒ کا

نورِ حق پھیلا گئے زنجان سے لاہور تک
تا ابد روشن رہے گا نام فخرالدینؒ کا

جس کے نخلِ شوق کا تھا ذوق چہرہ ماہ کو
ڈھونڈتے ہیں وہ باغِ صبح و شام فخرالدینؒ کا

کیوں نہ اہل دل کو فرحت بخش ہو میراں حسین
حضرتِ ختلیؒ نے رکھا نام فخر الدینؒ کا

مرحبا ابنِ علی محمودؒ و مریمؒ مرحبا
مرجعِ انوارِ حق ہے بام فخر الدینؒ کا

کوہڑی کو دی شفا رہزن کو رہبر کر دیا
رام چندر دیکھ فیضِ عام فخر الدینؒ کا

جبھ کے تاروں نے مانگی ہے ضیائے زندگی
جب ہوا روشن چراغِ شام فخر الدینؒ کا

جب بھی ذوقی کافروں نے دین پر توڑا ستم
ڈھل گیا آلام میں آرام فخر الدینؒ کا

(۲)

آپ جس پر ہو گئے ہیں مہرباں میراں حسینؒ
اسکے تابع ہو گئے کون و مکاں میراں حسینؒ

چومتا ہے اس کی پیشانی حقیقت کا جمال
مل گیا جس کو تمہارا آستاں میراں حسینؒ

وہ قلندر صاحبِ عرفاں ہے بزمِ دہر میں
جس کے لب پر آپ کی ہے داستاں میراں حسینؒ

اس مکانِ آب و گل میں بند تھے فکر و نظر
آپ نے بخشی ہے راہِ لامکاں میراں حسینؒ

باغ زنجان آپ کے دم سے یہاں سرسبز تھا
اب کہیں ملتا نہیں اس کا نشاں میراں حسینؒ

غنچے غنچے کی زباں پر کیوں نہ فخرالدینؒ ہو
گلشنِ اسلام کے ہیں پاسباں میراں حسینؒ

آج بھی اہل طریقت آپ سے ہیں فیضیاب
بزمِ اہلِ دل کے ہیں روحِ رواں میراں حسینؒ

اللہ اللہ آپ کی تبلیغِ دیں کا معجزہ
منزلِ حق پر رواں ہے کارواں میراں حسینؒ

پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی کبھی
لاکھ دنیا نے لیا ہے امتحاں میراں حسینؒ

اب کسی کو کیا سناؤں اپنے دل کی داستاں
آپ کی نظروں میں ہیں میرے رازداں میراں حسینؒ

آپ نے بخشی ہے ذوقیؔ کو یہ معراجِ سخن
زیرِ پائے فکر ہے اب آسماں میراں حسینؒ

امیر محمد بخش صابری

منقبت

حسنِ ذاتِ کبریا کا آئینہ میراں حسینؓ
ہے ضیائے حسنِ عکسِ مصطفےٰ میراں حسینؓ

لاڈلے ابنِ علیؓ گلشنِ زہراؓ کے پھول
سرتا پا نورِ خدا ہیں باخدا میراں حسینؓ

منبعِ جود و سخا ہے آستانہ آپ کا
ہیں زمانے کیلئے حاجت روا میراں حسینؓ

کیوں نہ پہنچے گا وہ اپنی منزلِ مقصود پر
جس کے ہوں گے رہنما و پیشوا میراں حسینؓ

چاہ میراں کیلئے گویا گلشنِ زنجان ہے
جہاں آپ کا نظرِ کرم ہے ز عطا میراں حسینؓ

ہر نگاہ سے ہیں عیاں معجز نمائیاں آپ کی
لادوا کی ہیں دوا کلی شفا میراں حسینؓ

آپ کے فیضِ قدم سے چاہ میراں کیا کہوں
صاف نظر آتا ہے جنت نما میراں حسینؓ

خشک زاہد کیا خبر تجھ کو مقامِ عشق کی
عاشقوں کے عشق کا کعبہ بنا میراں حسینؒ

ہے فضلِ ابوالفضلؒ کا اور جنیدیؒ فیض ہے
جاری ہے سرچشمۂ جود و سخا میراں حسینؒ

لاکھ طوفانوں میں ہو گو کشتیٔ عمرِ رواں
کیوں نہ ہو وہ پار جس کے ناخدا میراں حسینؒ

اس امیرِ صابری کا آج بھر دیجئے شہا
کاسۂ امید لے کر آگیا میراں حسینؒ

(۱۲)

تمہارا آستاں وہ آستاں ہے
کہ محتاجِ کرم سارا جہاں ہے

یہ گنبد سبز گنبد کا ہے نقشہ
یہ چوکھٹ منبعِ فیض رساں ہے

تیرے در کے سوا اے فخرِ عالم
تو ہی کہہ ٹھکانا اور کہاں ہے

بنایا چاہ میراں رشکِ جنت
تیرے فیضِ قدم کا یہ نشاں ہے

نہ آئے راس کیسے کہ میں سجدے
تمہارا آستاں بس آستاں ہے

جنیدیؒ فیض سے دامن کو بھر دو
مجھے اس بھیک پر میراںؒ گماں ہے

کوئی دو چار ملکوں کا ہے حاکم
تیرا منگتا تو سلطانِ جہاں ہے

میری نسبت کا کیا پوچھو کہوں کیا
میرا حسن عقیدت ترجماں ہے

در میراں پر جھک جا اور مٹ جا   جبینِ شوق وقتِ امتحاں ہے
تو ہے زنجاں کا وہ ماہِ کامل   تجلی سے تیری روشن جہاں ہے
امیرِ صابری کی آج سن لو میراںؒ
سراپا درد میری داستاں ہے

تیغ اجمیری

منقبت

آپ کا دربار ہے دربار میراں بادشاہ
آپ سے اللہ کو ہے پیار میراں بادشاہ
درحقیقت آپ ہی لاہور کے ہیں بادشاہ
اس سے ہے کس شخص کو انکار میراں بادشاہ
ہو گیا بے شک وہ دیدارِ نبی سے فیض یاب
آپ کا جس کو ہوا دیدار میراں بادشاہ
آپ کو اپنا بنایا ہے رسول اللہ نے
اولیاء اللہ کے دلدار میراں بادشاہ

پیر بھائی آپ کے جو گنج بخشِ فیض ہیں
وہ ہیں داتا آپ بھی داتا میراں بادشاہ

دین کا ڈنکا بجایا آپ نے لاہور میں
چھوڑ کر اپنا وطن گھر بار میراں بادشاہ

کر دیا قربان تن من دھن خدا کی راہ میں
امتِ مرحوم کے غم خوار میراں بادشاہ

واسطہ ہند الولیؒ خواجہ معین الدینؒ کا
مجھ پہ ہو چشمِ کرم ہر بار میراں بادشاہ

دولتِ دنیا و دیں سے اس کو کر دیجے غنی
بیخ بھی ہے حاضرِ دربار میراں بادشاہ

صوفی سید ارشاد علی زنجانی

نذرانۂ عقیدت

کس طرح اظہار ہو شان آپ کی میراں حسینؒ
بخش دو طاقت زباں کو یا سخی میراں حسینؒ

آپ نورِ مصطفےٰ کے جلوۂ پر نور ہیں
بانٹتے ہیں رحمتِ حق ہر گھڑی میراں حسین

آپ ہیں عشقِ محمد کی نرالی ہے ادا
ہے عجب شانِ بلالی آپ کی میراں حسین

فیض پایا آپ سے حضرت معین الدینؒ نے
آپ سے مل کر گئے خواجہ ولی میراں حسینؒ

آپ کے در کے سوالی ہیں سبھی شاہ و گدا
آپ کے در سے مدد سب کو ملی میراں حسین

فیض بخشی کے خزانے لے لئے داتا گنج بخش
تاکہ جاری ہو سخاوت آپ کی میراں حسینؒ

دین پھیلایا خدا کا دل منور کر دیئے
رہنمائے کارواں ہیں آج بھی میراں حسینؒ

جو بھی رکھے گا عقیدت آپ سے وہ پائے گا
دونوں عالم میں حیاتِ سرمدی میراں حسینؒ

ہم تیری اولاد ہیں دل شاد ہیں آباد ہیں
ہو کرم ہم پر ہمیشہ یا سخی میراں حسینؒ

ڈوبنے دیتا نہیں کشتی کسی طوفان میں
ہے وہ کامل ناخدائی آپ کی میراں حسین

آپ کے متوسلوں کا نیک ہوگا حشر و نشر
آپ کی بالکل ہے سچی دوستی میراں حسین

ہم خطاکاروں کی عادت ہے کہتے ہیں خطا
پر عطا کرنا ہے عادت آپ کی میراں حسینؒ

دونوں عالم میں کریں ناچیز ارشاد کی مدد
اس کے دل میں ہے محبت آپ کی میراں حسین

محمد افضل طاہر

التجائے افضل

(بہ شان حضرت میراں حسین زنجانیؒ)

جلوۂ نورِ ہدیٰ ہیں حضرتِ میراں حسینؒ
شمعِ منزل کی ضیا ہیں حضرتِ میراں حسینؒ

این و آں سے ماورا ہیں حضرتِ میراں حسین
جذب و مستی میں فنا ہیں حضرتِ میراں حسینؒ

دل کے آئینے کو جب دیکھا تو یہ عقدہ کھلا
عکسِ ذاتِ کبریا ہیں حضرتِ میراں حسینؒ

آپ کے دل میں ہے انوارِ الٰہی کی جھلک
طورِ خاصانِ خدا ہیں حضرتِ میراں حسین

ہر طرف بہتا ہے دریا آپ کے فیضان کا
منبعِ لطف و عطا ہیں حضرتِ میراں حسین

یہ انیسُ العاشقیں ہیں یہ رفیقُ الطّالبیں
سالکوں کے رہنما ہیں حضرتِ میراں حسین

آپ کے در سے ملے ہر اک کو گلہائے مراد
صاحبِ جود و سخا ہیں حضرتِ میراں حسینؒ
جن کو دنیا کے طبیبوں سے نہ تسکیں مل سکی
ان مریضوں کی دوا ہیں حضرتِ میراں حسینؒ
صرف افضل ہی نہیں ہے ان کے تکیے کا فقیر
مرجعِ شاہ و گدا ہیں حضرتِ میراں حسین

محمد اشرف بٹ
بزمِ میراںؒ

صدائے دل

(منقبت حضرت میراں حسینؒ زنجانی)

گلشنِ فردوس کی ہیں تازگی میراں حسینؒ
عالمِ روحانیت کی ہیں زندگی میراں حسینؒ
آپ ہیں اللہ کے سچے ولی میراں حسینؒ
آپ ہیں دراصل اولادِ علیؓ میراں حسینؒ

جس نے دل سے آپ کی دی حاضری میراں حسینؒ
دین و دنیا کی اسے عظمت ملی میراں حسینؒ

آپ داتا سے بھی پہلے آئے ہیں لاہور میں
آپ کی ہے شان بھی ان سے بڑی میراں حسینؒ

آپ نے ساری تجرد میں گزاری زندگی
آپ کو رہتی تھی اتنی بے خودی میراں حسینؒ

سچ تو یہ ہے آپ پاکستان کے بانی ہوئے
ہند میں ہیں آپ ہی پہلے ولی میراں حسینؒ

جو شریعت پر چلے وہ آپ کا کہلائے گا
غیر حق کچھ بھی نہیں ہے زندگی میراں حسینؒ

حشر میں مجھ کو نہیں ہے اپنی بخشائش کا غم
کام آئے گی شفاعت آپکی میراں حسینؒ

آپ کی الفت کا دعویٰ لوگ کرتے ہیں سبھی
در حقیقت آپ کا ہوگا کوئی میراں حسینؒ

آبرو اشرف کی میراں دونو عالم میں رہے
آپ کے دم سے ہے میری زندگی میراں حسینؒ

محمد اعظم چشتی

گدائے زنجانیؒ

آفتابِ سپہرِ مہر و وفا
مخزنِ علم و حلم و زہد و سخا

مظہرِ نورِ کبریا ہے وہ دل
پڑ گئی جس پہ تیری چشمِ عطا

رازِ کونین کھل گیا اس پر
جس کو حاصل ہوا ہے قرب ترا

آج بھی بارگاہ میں تیری
سر جھکائے ہیں تاجدار و گدا

سچ تو یہ ہے کہ تجھ سا فیض رساں
کوئی دیکھا نہ کوئی ایسا سنا

میری جانب بھی اک نگاہِ کرم
میں ہوں مدّاحِ بندگانِ خدا

میں ہوں اعظمؔ گدائے زنجانیؒ
ورنہ میں کیا میری حقیقت کیا

مرزا محمد اسلم
(بزم میراں)

شاہِ میراں

جب میرا دل آشنائے شاہِ میراں ہو گیا
ہر نفس وقفِ صدائے شاہِ میراں ہو گیا

کیوں نہ میرے چشم و دل ہوں حسنِ عرفاں سر بسر
ہیں سراپا اب ادائے شاہِ میراں ہو گیا

اس جہانِ رنگ و بو میں اب کسی سے کیا غرض
اب تو دل جزوِ رضائے شاہِ میراں ہو گیا

جلوۂ توحید پر کیونکر نہ ہو میری نظر
اب دلِ مضطر فدائے شاہِ میراں ہو گیا

صد مبارک تجھ کو اے دل مل گیا تیرا مقام
کشتۂ تیغِ وفائے شاہِ میراں ہو گیا

شمع کی صورت جلا جو سوز و غم میں رات بھر
در حقیقت وہ ضیائے شاہِ میراں ہو گیا

کیوں نہ اسلم اس کے قدموں پہ ہو شاہوں کی جبیں
جو مقدر سے گدائے شاہِ میراں ہو گیا

سیّد نظر زیدی

منقبت

پیرِ کامل رہنمائے زندگی میراں حسینؒ
اعتبارِ علم و عقل و آگہی میراں حسینؒ

مشعلیں روشن ہیں ان کی سیرت و کردار کی
دور کرتے ہیں دلوں کی تیرگی میراں حسینؒ

آج بھی روشن ہیں ان راہوں میں انکے نقشِ پا
رہنمائے کارواں ہیں آج بھی میراں حسین

تاجداروں نے دیا ان کو عقیدت کا خراج
گو کبھی رکھتے نہ تھے تاجِ شہی میراں حسینؒ

بندہ ہو کر کوئی بن سکتا ہے بندوں کا خدا
کر رہے ہیں اس عقیدے کی نفی میراں حسینؒ

تھا وہی مسلک جو مسلک تھا رسول اللہ کا
کفر سے پھر کیوں نہ رکھتے دشمنی میراں حسینؒ

ماسوا سے کچھ غرض رکھی نہ زیدیؔ عمر بھر
آج بھی دیتے ہیں یہ درسِ خودی میراں حسینؒ

بزمِ میراں

بزم میراں نوجوانوں کی تنظیم کا ایک تبلیغی ادارہ ہے جس کے اراکین
کا مشن اولیاء اللہ کے نقشِ قدم پر چل کر دین اسلام کی خدمت کرنا ہے
حضرت میراں حسین زنجانیؒ کے روحانی فیض کی بدولت
بزم کے نوجوانوں میں دین اسلام کی خدمت کا حقیقی جذبہ ہے۔ یہ بزم
دراز سے دربار ہذا میں تقریر و تحریر اور نعتیہ کلام کے ذریعے سے تبلیغی
خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ اس بزم کے اراکین نمازی پرہیزگار
متقی نوجوان ہیں۔ بزم کے اراکین مندرجہ ذیل ہیں:۔

مولانا شیخ عبدالغفور	صدر
محمد اشرف بٹ	نائب صدر
مرزا محمد اسلم ناز	سیکریٹری
محمد سلطان	رکن
محمد حفیظ زاہد	رکن

آفتابِ فیضِ عالم ماہتابِ اولیاءؒ
سینۂ میراں حسینؒ ام الکتابِ اولیاءؒ

آفتابِ زنجان

سوانح حیات قطب الاقطاب حضرت شیخ فخر الدین شاہ حسین زنجانیؒ

المشہور

حضرت میراں حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ

مؤلفہ۔ عالم حسین چیمہ

بزم میراں دربار حضرت میراں حسین زنجانیؒ چاہ میراں لاہور
بزم صحرا اکادمی